امریکہ کے ترقی یافتہ معاشرے کے پس منظر میں لکھی ہوئی ایک پراسرار کہانی
بُوڑھی محبوبہ
محی الدین نواب
COMPUTER KINGS QUETTA

محی الدین نواب

# فلم

کی کہانی یہ ہوتی کہ ایک حسین و موہنی صورت والی ہیروئن لانہ کارٹر، کہانی کے ایک اہم موڑ پر لاپتہ ہو جاتی ہے۔ تب پاکستان کا مایہ ناز ہیرو عادل منیر اس خطرناک گروہ سے ٹکراتا ہے جو اس کی ہیروئن لانہ کو ایک خاص مقصد کیلئے اغوا کرتے ہیں۔

کہانی یہی تھی اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ لہٰذا کہانی کے اس اہم موڑ تک پہنچتے ہی لانہ سچ مچ لاپتہ ہو گئی۔

فلمی زندگی اور حقیقی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ فلمی کہانی میں کسی لڑکی کو اغوا کیا جائے تو اسی کہانی کے کسی موڑ پر اسے مجرموں کے چنگل سے چھڑا لیا جاتا ہے لیکن جیتی جاگتی زندگی میں فلم کا کوئی ڈرامائی انداز کام نہیں آتا۔ یونائیٹڈ اسٹیٹ کی پولیس حرکت میں آچکی تھی۔ دو ہفتے گزر چکے تھے۔ تمام پولیس اسٹیشنوں اور اسٹیٹ کی سرحدی چوکیوں میں لانہ کی تصویریں بھیج دی گئی تھیں لیکن وہ تو ایسے غائب ہو گئی تھی جیسے زمین نے اسے نگل لیا ہو۔ امریکی پولیس اور سراغرساں پریشان تھے اور اس فلم کا مصنف بھی کسی فلمی کہانی کے فارمولے سے اسے واپس نہیں لا سکتا تھا۔

لانہ کے لیے فلمساز سب سے زیادہ پریشان تھے۔ ایک فلمساز امریکی تھا اور دوسرا پاکستانی۔ وہ دونوں "کمبائنڈ پروڈکشنز" کے بینر تلے ایک فلم بنا رہے تھے۔ مغربی ممالک کے لیے اس فلم کا نام "مین فرام تہران" رکھا گیا تھا اور مشرقی ممالک کے لیے "جانباز عاشق، چنچل حسینہ عرف جوبن کے نظارے" کے نام سے دھماکہ خیز پبلسٹی کی جا رہی تھی۔

فلمساز برساتی خان ماردھاڑ اور ایکشن سے بھرپور اور سیکس سے مسحور کر دینے والی فلمیں بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا لہٰذا اس کی بیشتر فلمیں بھی باسی ٹائپ کی ہوتی تھیں۔ لہٰذا اُفق لودے کو فرانس سے بیچان لیا امریکی فلمساز آرتھر ڈریڈول نے برساتی خان کے سامنے مشترکہ فلمسازی کا منصوبہ پیش کیا اور وہ فلم بننے لگی۔

تقریباً آدھی فلم بن چکی تھی۔ اب وہ منظر فلمایا جانے والا تھا جس میں چند بدمعاش لانہ کے بیڈروم میں داخل ہوتے ہیں اور اسے جبراً اٹھا کرلے جاتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہی لانہ کو اس کی آپی کو بھی کے بیڈروم سے کوئی اٹھا کر لے گیا! اس کے باپ ڈائرکٹر نے یہی بیان دیا تھا کہ لانہ اسٹوڈیو جانے کے لیے لباس بدلنے کی غرض سے اپنی خوابگاہ میں گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی چیخ سنائی دی! اس کی ممی اور ڈیڈی وہاں پہنچے تو خوابگاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ بڑی دیر تک دروازے کو پیٹتے رہے اور چیختے رہے مگر لانہ کی آواز دوبارہ سنائی نہیں دی۔ پھر انھیں اپنی حماقت کا احساس ہوا تو وہ دوڑتے ہوئے کمرے کے دوسری طرف گئے، وہاں ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اتنی دیر میں وہ فرسودہ نوکیلر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔

اس کی گمشدگی سے فلم کے ہیرو عادل منیر کو بھی دلی صدمہ پہنچ رہا تھا! اس صدمے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اس کی فلمی ہیروئن تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ مختلف مناظر کی فلم بندی کے دوران وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب تر آ گئے تھے۔ بوس و کنار کے مناظر کچھ ایسے تھے کہ قریب آنا ضروری تھا۔ لانہ کے لیے وہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی: اس کی تہذیب میں کتنے ہی بوسے آتے جاتے رہتے تھے لیکن عادل کے لیے یہ نیا انوکھا اور جذباتی تجربہ تھا اور یہ تو یہ ہے کہ عادل اور اس کے فلمساز برساتی خان نے اسی جذباتی تجربے کی خاطر مشترکہ فلمسازی کا معاہدہ کیا تھا۔

برساتی خان نے فلم شروع کرنے سے پہلے اپنے ملک کے سنسر بورڈ کے سامنے پوری کہانی کا مسودہ پیش کیا تھا۔ کہانی کے کتنے ہی مناظر میں گرما گرم بوسے بازیاں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک منظر ایسا تھا جس میں عادل جذبات کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا لانہ کے جسم سے تمام لباس اتار دیتا ہے اور ——— اور اس کے بعد بھی بہت کچھ تھا مغربی ممالک کے سنسر بورڈ سے ایسے مناظر بڑی فراخدلی سے پاس کردیے جاتے ہیں مگر ہمارے ملک میں ایسے مناظر کو کاٹ کر انھیں بلیو فلموں کے خانے میں رکھا جاتا ہے پھر بھی چوری چھپے ان بلیو فلموں کی نمائش ہوتی رہتی ہے۔

پاکستان فلم سنسر بورڈ نے جب عادل اور لانہ کے اس جذباتی سین پر قینچی چلائی تو برساتی خان نے یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ جب وہ فلم ریلیز ہوگی تو صاف دیکھا جائے گا اس مسور منظر کے ٹوٹے جوڑ دیے جائیں گے ——— لیکن جب بوس و کنار کے مناظر پر بھی قینچی چلنے کی باری آئی تو برساتی خان نے قانونی نکتہ پیش کیا کہ انگریزی فلموں کے ایسے مناظر اس ملک میں بھی پاس کر دیے جاتے ہیں۔ لہٰذا سنسر بورڈ کو عادل اور لانہ کی بوسہ بازی پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

بورڈ والوں نے جواب دیا "بیشک وہ انگریزی فلم ہے مگر ہیرو پاکستانی ہے۔ لہٰذا بوسہ بھی پاکستانی ہوا۔"

برساتی خان نے پھر ایک نکتہ پیش کیا "بیشک ہیرو پاکستانی ہے لیکن اس فلم میں وہ پاکستان کی عفت مآب ہیروئن کا بوسہ نہیں لیتا ہے بلکہ ایک امریکن لڑکی کے لبوں سے کھیلتا ہے۔ تعجب ہے ہم امریکہ کے گندم سے لیکر ٹوبے تک ہر چیز کو ہضم کر لیتے ہیں اور ایک امریکن لڑکی کا بوسہ ہضم نہیں کر سکتے۔"

وہ تو خیر بحث برائے بحث تھی۔ اصل نکتہ یہ تھا کہ اس فلم کی کہانی اس کا ماحول اور ہیرو کا کردار پاکستانی نہیں تھا۔ عادل ایک ریڈ انڈین قبیلے کے نوجوان کا رول ادا کر رہا تھا اس لیے وہ پاکستانی انگریزی رنگ میں لانہ کے ایک نہیں ہزاروں بوسے لے سکتا تھا اور اس سے مشرقی تہذیب پر آنچ نہیں آتی تھی۔

جب کہانی کے ماحول اور کردار پر بات آئی تو سنسر بورڈ والوں نے مجبور ہو کر بوسے بازی کے تمام مناظر پاس کردیے۔ پہلے اس فلم کا نام "جانباز عاشق، چلبلی حسینہ" تھا سنسر بورڈ سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس کے ساتھ "جوبن کے نظارے" کی عرفیت لگا دی گئی۔ عادل اور لانہ کے بوسے کا ایک بہت بڑا کلوز اپ لیکر ایک کنگ سائز پوسٹر بنایا گیا تھا! اس ملک کی فلمی تاریخ میں وہ پہلا بوسہ نواز پوسٹر تھا جس میں دیسی ہونٹ بدیسی لبوں کو چوم رہے تھے۔ لوگ آتے جاتے اس پوسٹر کو دیکھ رہے تھے اور اس فلم کے ریلیز ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

ایسے ہی وقت فلم کی تکمیل کھٹائی میں پڑ گئی۔

برساتی خان کی لگائی ہوئی رقم ڈوب رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر لانہ واپس نہ آئی یا قتل کردی گئی تو کیا ہوگا؟ ایسی صورت میں لانہ کی جگہ کسی دوسری ہیروئن کا انتخاب کرنا ہوگا۔ لانہ کے جتنے مناظر فلمائے گئے ہیں ان کی از سر نو شوٹنگ کرنی ہوگی۔ فلم کو جلد از جلد مکمل کرنے کا یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا ——— لیکن برساتی خان نے اپنے اس نئے فیصلے کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ لانہ کو گم ہوئے ابھی دو ہفتے گذرے تھے اور امریکی فلمساز آرتھر بار بار یہ یقین دلا رہا تھا کہ ہمارے ملک کی پولیس بہت

ذہین اور تجربہ کار ہے۔ وہ بہت جلد لانہ کو واپس لے آئے گی۔

تیسرے ہفتے عادل کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ لانہ کی خاطر اپنی زندگی میں بھی ایک ہیرو کا زبردست کارنامہ انجام دینا چاہتا تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ وہ ملک اس کے لیے اجنبی تھا۔ وہاں کے تمام شہر، شاہراہیں اور گلیاں انجانی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔ جہاں بھی جاتا، خود ہی بھٹک جاتا۔ ویسے اس سلسلے میں وہ معلومات حاصل کرتا رہتا تھا کہ پولیس کیا کر رہی ہے۔ لانہ کو تلاش کرنے کے لیے کن مقامات تک پہنچ رہی ہے اور یہ کہ لانہ کے باپ وائز کارٹر نے کس پر شبہ ظاہر کیا ہے۔

وائز کارٹر بھی اپنی بیٹی کی طرح فلمی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ کئی فلموں میں کیریکٹر رول ادا کر چکا تھا۔ موجودہ فلم میں بھی وہ لانہ کے باپ کا رول ادا کر رہا تھا یعنی حقیقی زندگی کی طرح فلمی کہانی میں بھی وہ دونوں باپ بیٹی کے طور پر کام کر رہے تھے۔

پہلی مرتبہ کارٹر نے ایک ریڈ انڈین قبیلے کے سردار پر اپنا شبہ ظاہر کیا تھا۔

یہ شبہ ظاہر ہونے کے بعد لانہ کی پچھلی زندگی کا ایک باب کھل گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب لانہ کی ماں روزا کارٹر فلمی ہیروئن تھی اور روزا ڈوریٹ کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ اب سے تقریباً بائیس برس پہلے ایک قافلہ ان پہاڑیوں کی طرف جا رہا تھا جہاں سونے کی کانیں دریافت ہو چکی تھیں۔ وہاں تلاش قسم کے لوگ جاتے تھے، محنت مزدوری کرتے تھے اور چند ہی سالوں میں ڈھیر ساری دولت کما کر واپس آتے تھے۔ وہ قافلہ بھی دولت کمانے کی فکر میں جا رہا تھا۔ اس قافلے میں روزا اپنے باپ کے ساتھ موجود تھی۔ چار ویگنوں میں مرد، عورتیں اور بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی چند نوجوان گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب وہ سونا کی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرنے لگے تو ایک بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کیا، جس کی ایک بلندی سے دھوئیں کی لکیر آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔

”خطرہ ہے!“ بوڑھے نے کہا ”جتنی جلدی ہو سکے کھلے میدان کی طرف نکل چلو، ورنہ یہاں ہم آسانی سے گھیر لیے جائیں گے۔“

قافلے کی رفتار تیز ہو گئی۔ خاموش وادی میں ویگنوں کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور گھوڑوں کی ٹاپیں گونجنے لگیں۔ اس دھوئیں کی لکیر کو سب ہی سمجھ گئے تھے۔ ایک ریڈ انڈین قبیلہ دوسرے قبیلوں کو دھوئیں کے ذریعے سگنل دے رہا تھا کہ کوئی قافلہ گزر رہا ہے جسے لوٹ کر وہ اناج، کپڑے، بندوقیں اور کارتوس کی پیٹیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ قافلہ اپنی حفاظت اور سلامتی کے لیے بھاگ رہا تھا۔ ان کے دونوں طرف پہاڑیاں تھیں۔ ان کے درمیان راستہ کبھی تنگ ہو جاتا تھا اور کبھی پھیل جاتا تھا۔ اسی وقت ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور آگے جانے والے گھوڑے کی گردن میں ترازو ہو گیا۔ گھوڑا ہنہنا کر گرا اور سوار قلابازیاں کھاتا ہوا دور جا پڑا۔ ویگنوں میں کھڑے ہوئے نوجوانوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ گرنے والا نوجوان دوڑتا ہوا آ کر آخری ویگن میں سوار ہو گیا تھا۔ وہ سب بے تحاشہ گھوڑوں اور گاڑیوں کو دوڑاتے جا رہے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے چاروں طرف فائرنگ کر رہے تھے تاکہ پہاڑیوں میں چھپے ہوئے دشمنوں کو حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

دو گھنٹے تک دوڑ لگانے کے بعد وہ میدانی علاقے میں آ گئے لیکن وہاں بھی انہیں دم لینے کی فرصت نہیں ملی۔ پہاڑی کے دوسری طرف سے بے شمار ریڈ انڈین گھوڑے دوڑاتے ہوئے وحشیانہ انداز میں چیختے چلاتے ہوئے اسی سمت جا رہے تھے جدھر وہ قافلہ جا رہا تھا۔ وہ اتنی دوری پر تھے کہ بندوق کی گولیاں وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ قافلے والوں نے سمت بدل کر بچ نکلنا چاہا مگر دوسری طرف سے بھی ریڈ انڈین اسی انداز میں ہو ہو کرتے ہوئے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے دیکھا کہ وہ چاروں طرف گھیرے جا رہے ہیں۔ چھروہ ایک جگہ رک گئے۔ ویگنوں سے لکڑی اور ٹین کے صندوق نکال کر انھیں ایک پر ایک رکھتے ہوئے دیواریں کھینچنے لگے تاکہ ان کے پیچھے محفوظ رہ کر حملوں کا جواب دے سکیں۔ عورتیں اور بچے ویگنوں کے نیچے رینگ گئے تھے اور سہمی ہوئی نظروں سے دور گھومتے ہوئے جنگلیوں کو دیکھ رہے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں تھیں جن کے پھل تیز دھوپ میں چمک رہے تھے۔ کوئی لنگوٹ باندھے ہوئے تھا اور کوئی پتلون پہنے ہوئے

---

**تم سے**

• ”تم نے اپنی کار کا حادثہ اس بُری طرح کیسے ٹکرا دیا؟“

• ”میری گاڑی ایک بوتل پر سے گزر گئی تھی۔“

• ”اچھا! تو گویا تمہیں وہ بوتل نظر نہیں آئی؟“

”بوتل نظر کیسے آتی۔ وہ تو اس آدمی کی جیب میں تھی۔“

(ابو الفرح ہمایوں)

• ”تو تمہارا لڑکا ہالی وڈ میں رہتا ہے؟ کیا وہ تم سے ملنے کبھی آتا ہے؟“

• ”ہاں ہاں! اسے گئے پانچ سال ہو گئے ہیں اور ان پانچ برسوں میں وہ پانچ دفعہ آیا ہے۔“

• ”بہت خوب! جب وہ آتا ہے تو کیا اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لاتا ہے؟“

• ”ہاں! اور وہ پانچوں بہت خوبصورت اور اسمارٹ تھیں۔“

(ضیاء الرحمٰن قادری)

تھا جس کے پائنچے اوپر کو چڑھے ہوئے تھے۔ باقی ننگے جسم پر مختلف رنگوں سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ وہ سب ایک بہت بڑا دائرہ بنائے اپنے گھوڑوں پر خاموش بیٹھے تھے۔ قافلے میں کل چار بوڑھے اور دس نوجوان تھے۔ سب نے بندوقیں سنبھال لی تھیں۔ دشمن رینج سے باہر تھے اس لیے وہ بھی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

بڑی ہولناک خاموشی تھی۔ وہ نہ آگے بڑھ رہے تھے اور نہ ہی قافلے کو آگے جانے کا راستہ دے رہے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ دوپہر ڈھلنے لگی۔ سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا تب دس مرد جنگجوؤں نے اپنے گھوڑے بڑھائے۔ وہ بڑی تیزی سے کھاڑیاں اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ قافلے والوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ دو چار جنگلی گولیوں کا نشانہ بن کر گرے مگر ان کے پیچھے دس اور چلے آئے۔ کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں آئینے تھے۔ وہ بندوق چلانے والوں کی آنکھوں پر سورج کی شعاعیں پھینک رہے تھے تاکہ ان کا نشانہ خطا ہو جائے — اور واقعی نشانہ خطا ہو جاتا۔ کئی کئی گولیاں ضائع ہو رہی تھیں۔ دشمن بڑھتے چلے آ رہے تھے اور صندوقوں کی دیواروں کو پھلانگتے ہوئے دیگروں میں جلتی ہوئی مشعلیں پھینکتے ہوئے گزر رہے تھے۔

پھر تمام دیگیں شعلوں کی لپیٹ میں آ گئیں۔ عورتیں اور بچے چیخ چیخ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ دو بدو مقابلہ ہو رہا تھا۔ وہ بندوق کے کندوں سے لڑ رہے تھے اور دشمن کلہاڑیوں سے جواب دے رہے تھے۔ آدھ گھنٹے میں ہی جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ قافلے والوں کی لاشیں زمین پر بکھر گئیں۔ جنگلی اپنی ضرورت کا سامان لوٹنے لگے۔ کچھ ریڈ انڈین ان عورتوں اور بچوں کا پیچھا کر رہے تھے جو زندہ رہ گئے تھے اور بھاگ کر اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ صرف تین عورتوں کی جانیں بچ گئیں جو بے حد خوبصورت تھیں۔ باقی عورتیں اور بچے کلہاڑیوں کی نذر ہو گئے۔ روزا اس لیے بچ گئی کہ وہ ایک حسین عورت کی گود میں تھی۔

کارمن نے روزا کی یہ داستان سنائی تھی کہ وہ کس طرح ریڈ انڈین قبیلے میں پہنچ گئی اور کس طرح اس نے اپنے بچپن سے جوانی تک کا عرصہ گزارا۔ وہ ایک ریڈ انڈین دوشیزہ کے روپ میں جوان ہوئی تھی اور ان کی زبان بولتی تھی لیکن جو عورت اسے گود میں اٹھا کر لائی تھی، اس نے اسے انگریزی زبان بھی سکھائی تھی اور اسے بتایا کرتی تھی کہ وہ ریڈ انڈین نہیں ہے۔ اس کے رشتے دار آج بھی زندہ ہیں اور واشنگٹن کے کسی علاقے میں رہتے ہیں۔ اگر اسے موقع ملے تو اس قبیلے سے نکل کر ان کے پاس جانا چاہیے اور ان میں ایک مہذب زندگی گزارنا چاہیے۔

روزا اس عورت کو اپنی ماں سمجھتی تھی۔ اس نے بچپن سے اپنی ماں کو ایک مجبور عورت کی طرح زندگی گزارتے دیکھا تھا اور وہ مجبوری بھی ایک عجیب سی مجبوری تھی۔ مہذب دنیا کے لوگ شاید اس پر یقین نہ کریں لیکن روزا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کی ماں گونگی بھی تھی اور بولتی بھی تھی یعنی صبح سے آدھی رات تک گونگی رہتی۔ بولنا چاہتی تب بھی الفاظ اس کی زبان سے ادا نہ ہوتے۔ وہ اشاروں میں باتیں کرتی تھی لیکن آدھی رات کے بعد جب پاپا بنجامن سو جاتا تو وہ فر فر بولنے لگتی تھی۔

پاپا بنجامن اس قبیلے کا بوڑھا سردار تھا۔ تمام قبیلے کے لوگ اس سے ڈرتے تھے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ ڈرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ جسمانی لحاظ سے طاقتور تھا۔ اس میں کچھ شیطانی قوتیں تھیں جن سے سب ہی خائف رہتے تھے۔ روزا کو جیسے جیسے سمجھ آتی گئی، وہ پاپا بنجامن کو سمجھتی گئی۔ اس کی شخصیت میں مرعوب کر دینے والی کوئی بات نہ تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس نے اسے پراسرار اور خوفناک بنا دیا تھا۔ اس انگوٹھی پر ایک مردہ انسان کی کھوپڑی بنی ہوئی تھی۔ پاپا بنجامن جس شخص کی طرف اس انگوٹھی کا رخ کر کے بڑبڑاتا، کچھ منتر پڑھتا یا جانے کیسی کیسی باتیں کرتا، تو اس شخص کو کوئی نحوست گھیر لیتی۔ وہ بیمار پڑ جاتا، یا گونگا بن جاتا۔ یا پھر وقت سے پہلے حیرت انگیز طور پر اچانک بوڑھا ہو کر دوسروں کا محتاج بن جاتا تھا۔

روزا کی ماں جب اس قبیلے میں آئی تو پاپا بنجامن سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی اور اسے دھمکی دیتی تھی کہ جب کبھی امریکن اسکاؤٹ کی جماعت ادھر سے گزرے گی تو وہ انھیں بتا دے گی کہ کس طرح قافلے کو لوٹ کر اسے یہاں لایا گیا ہے۔ پاپا بنجامن نے اس کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ کسی سے شکایت کر سکے۔ اس نے اسے گونگی بنا دیا۔ ایسی گونگی جو آدھی رات کے بعد بولتی تھی اور صبح ہوتے ہی بولنا بھول جاتی تھی — یعنی پاپا بنجامن کے سونے کے بعد اس کی شیطانی قوتیں بھی سو جاتی تھیں۔ یا پھر سوتے وقت وہ انگوٹھی اتار دیا کرتا تھا۔ آدھی رات کے بعد کوئی اس کی جھونپڑی میں نہیں جاتا تھا اس لیے کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا جادو بے اثر کیوں ہو جاتا ہے۔

اس کی جھونپڑی بھی کچھ عجیب سی تھی۔ ایک مردہ انسان کی کھوپڑی نظر آتی تھی۔ وہ ایک بڑے سے درخت کا کھوکھلا تنا تھا۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ ایسے کھلا ہوا تھا جیسے کھوپڑی کا منہ کھل گیا ہو۔ منہ کے اوپر ناک کا تکونا سوراخ تھا اور ناک کے اطراف آنکھوں کی جگہ دو گول سوراخ بنے ہوئے تھے۔ گھنی جھاڑیوں کے درمیان وہ کٹیا ایسے لگتی تھی جیسے کوئی انسانی ڈھانچہ سر نکال کر جھانک رہا ہو۔

قبیلے کے لوگ اس سے اس قدر خوفزدہ رہتے تھے کہ کبھی کسی نے اس کٹیا میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ روزا کی ماں اس کی داشتہ کے طور پر زندگی گزار رہی تھی لیکن اسے بھی کٹیا کے اندر جانے کی

اجازت نہیں تھی۔ البتہ پاپا بنجامن کا جوان بیٹا پاپا لوئی کبھی کبھی وہاں جاتا تھا۔ یہ رعایت اس لیے تھی کہ باپ کے بعد وہی سردار بننے والا تھا اور اس قبیلے کی سب سے حسین لڑکی روزا اس سے بیاہی جانے والی تھی۔

انہی دنوں وائز کارٹر ایک فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں ادھر آیا ہوا تھا۔ روزا اسے دیکھتے ہی دل ہار گئی۔ کچھ تو عمر کا تقاضا تھا اور کچھ اپنی سفید فام نسل کے نوجوان کو دیکھ کر محبت جوش میں آگئی تھی۔ دونوں چوری چھپے ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ وہ فلم یونٹ ایک ماہ کے شیڈول پر آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لیے آیا تھا۔ وائز کارٹر دن کو شوٹنگ میں مصروف رہتا تھا۔ رات کو اپنے لوکیشن سے تین میل دور گھنے جنگلوں سے گزر کر روزا سے ملنے آتا تھا۔ روزا آدھی رات کے بعد چپ چاپ اپنی کٹیا سے نکل کر آدھے میل کا فاصلہ طے کرتی تھی اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں صبح کاذب تک وقت گزار دیتے تھے۔

روزا نے اپنے متعلق اسے سب کچھ بتایا جو وہ اپنی ماں سے سنتی آئی تھی اور اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اسے اس قبیلے سے نکال کر لے جائے۔ کارٹر بھی یہی چاہتا تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ وہ قانونی طور سے کسی ریڈ انڈین لڑکی کو اس کے سردار کی مرضی کے خلاف نہیں لے جا سکتا تھا۔ روزا رنگ روپ اور چال ڈھال کے اعتبار سے ریڈ انڈین دوشیزہ نظر آتی تھی۔ یہ ثابت کرنا دشوار تھا کہ وہ سفید فام نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ کارٹر نے کہا۔

”ایک ہی طریقہ ہے کہ میں تمھیں یہاں سے بھگا کر لے جاؤں۔“

”مجھے ابھی لے جاؤ، میں تمھارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ تم چھوڑ کر جاؤ گے تو میں مر جاؤں گی۔“

کارٹر نے اسے یقین دلایا۔ ”میں تمھیں ضرور لے جاؤں گا مگر ابھی ذرا دیر انتظار کرنا ہوگا۔ پندرہ بیس دن کے بعد شوٹنگ ختم ہو جائے گی۔ یہاں سے جاتے وقت میں تمھیں ساتھ لے جاؤں گا۔“

وہ فرار ہونے کے منصوبے بنا رہے تھے مگر اسی رات پاپا لوئی نے روزا کی چوری پکڑ لی۔ صبح کاذب کے وقت جب کارٹر واپس چلا گیا اور روزا بھی واپس آنے لگی تو اچانک پاپا لوئی ایک جھاڑی سے نکل کر اس کے سامنے آگیا۔ وہ ساری رات ان کے عشق و محبت کا تماشا دیکھتا رہا تھا۔ روزا اسے دیکھتے ہی واپس بھاگنا چاہتی تھی مگر وہ اسے پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔ پھر اسے کاندھے پر اٹھا کر اپنے قبیلے میں لایا اور اسے سردار کے سامنے پٹخ کر بولا۔

”یہ سفید چمڑی والی ایک اجنبی کے ساتھ بھاگنا چاہتی تھی۔ اگر اسے باندھ کر نہ رکھا گیا تو یہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔“

پاپا بنجامن اپنی سرخ آنکھوں سے گھور گھور کر روزا کو دیکھنے لگا۔ کارٹر کی محبت نے اس کے حوصلے بڑھا دیے تھے۔ وہ زندگی میں پہلی بار سردار کے سامنے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گرجنے لگی۔

”ہاں۔ میں جاؤں گی۔ میں اس قبیلے میں نہیں رہوں گی۔ تم سب لٹیرے ہو۔ مجھے بچپن میں اٹھا کر یہاں لے آئے تھے۔ میں اپنے لوگوں میں واپس جاؤں گی اور انھیں بتاؤں گی کہ تم نے مجھے اور میری ماں کو برسوں سے یہاں قید کر رکھا ہے۔ میں تم لوگوں کو ۔ ۔ ۔ ۔“

وہ کہتے کہتے اچانک رک گئی۔ پاپا بنجامن نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی اس کی جانب بڑھائی تھی۔ بند مٹھی کی ایک انگلی میں وہی انگوٹھی تھی جس پر ایک مردہ انسان کی کھوپڑی بنی ہوئی تھی۔

وہ سہم کر اسے دیکھ رہی تھی اور عجب رنگ سے لرز رہی تھی۔ پاپا بنجامن نے اپنی مٹھی آگے بڑھا کر اس انگوٹھی کو اس کے دائیں شانے پر رکھا۔ پھر زیر لب بڑبڑاتا ہوا اس کے بائیں شانے پر رکھا۔ اس کے بعد اس کی پیشانی پر انگوٹھی کو رکھا اور پھر گرجتے ہوئے کہا۔

”بہت بولتی ہو۔ اب بولو!“

روزا نے پھر کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ اس کے حلق سے آوازیں بھی نکلیں ۔۔۔ گونگی آوازیں (جو الفاظ سے خالی ہوتی ہیں)۔ وہ اپنی ماں کی طرح گونگی بن گئی تھی۔

سردار نے اپنے بیٹے پاپا لوئی سے کہا۔ ”آج رات قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق یہ تمھاری بیوی بن جائے گی۔ اسے لے جا کر بند کر دو۔“

پاپا لوئی اسے کھینچتا ہوا وہاں سے لے گیا۔ وہ چیختی چلاتی رہی۔ کوئی اس کی سننے والا نہ تھا۔ اس کی ماں چھاتی پیٹ پیٹ کر دہائی دیتی رہی مگر رات کے وقت جبراً اس کی شادی کی گئی اور پاپا لوئی اسے اٹھا کر اپنی کٹیا میں لے گیا۔ ماں بے چاری بیٹی کی چیخیں سن سن کر صدمے سے مر گئی۔

مگر روزا کی بربادی ہوتی رہی۔ پاپا لوئی ایک درندے کی طرح اسے بھنبھوڑتا رہا۔ جب وہ باہر جاتا تو کٹیا کے دروازے پر دو آدمیوں کو پہرہ دینے کے لیے کھڑا کر جاتا اور واپس آتا تو پھر اسی طرح درندہ بن جاتا۔ دو چار روز میں ہی روزا ٹھنڈی پڑ گئی اور خاموشی سے اس کے ظلم و ستم کو برداشت کرنے لگی۔

کارٹر نے وعدہ کیا تھا کہ پندرہ بیس دن کے بعد شوٹنگ ختم ہوتے ہی اسے وہاں سے لے جائے گا لیکن وہ مدت گزر چکی تھی۔ روزا سوچتی رہتی تھی کہ وہ ہر رات تین میل کا فاصلہ طے کر کے آتا ہوگا اور اس کا انتظار کرنے کے بعد مایوس ہو کر چلا جاتا ہوگا اور اب ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے چلا گیا ہو۔ وہ بے چارا تنہا کر بھی کیا سکتا تھا۔

ایک ماہ بعد روزا کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ قبیلے کی ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ ایسے وقت روزا نے کہا۔

”یہ ہونے والا بچہ کارٹر کا ہے۔“

"میرا ہے!" پاپالونی بگڑ کر بولا۔

روزا نے اسے حقارت سے دیکھ کر کہا "ایک عورت سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پیٹ میں کس کا بچہ پرورش پا رہا ہے۔"

پاپالونی غصے میں آ کر اسے مارنے پیٹنے لگا۔ بوڑھی عورت نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے کہا۔

"پاپالونی غصہ نہ کر۔ بیوی تیری ہے اس لیے بچہ بھی تیرا ہی ہے ایسی حالت میں اس پر ہاتھ نہ اٹھایا کر نہیں تو تیرے بچے کو نقصان پہنچے گا۔"

وہ غصے میں طنطناتا ہوا کٹیا سے باہر چلا گیا۔ روزا اپنے جسم کی چوٹیں سہلاتی رہی اور تکلیف سے کراہتی رہی۔ بوڑھی عورت اسے بھی سمجھا بجھا کر چلی گئی کہ اب اسے وہیں رہنا ہے اور وہیں مرنا ہے۔ اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ پاپالونی کے اشاروں پر چلے اور اس کے قدموں میں رہ کر زندگی گزارے۔

لیکن ایک رات اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ پاپالونی بھینسوں کی کھالیں فروخت کرنے نیرادلین کی طرف گیا تھا۔ شام کو اس کی واپسی تھی مگر آدھی رات کے بعد بھی وہ واپس نہ آیا تو روزا وہاں سے نکل جانے کے لیے بے چین ہو گئی۔ اس کی نگرانی کے لیے بڑھیا موجود تھی مگر بے خبر

---

رسول اللہ نے فرمایا: "جب تین ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں کانا پھوسی نہ کریں۔ (المفرد)

رسول اللہ نے فرمایا: جس وقت تم تعریف کرنے والے کو بے جا تعریف کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے منہ میں مٹی بھر دو (یعنی اس پر ناگواری کا اظہار کرو) (مشکوٰۃ)

رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا (بخاری، مسلم)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: تم لوگوں کو معاف کر دیا کرو۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارا خدا تمہیں معاف کرے؟ (النور)

رسول اللہ نے فرمایا: بندگان خدا میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کھاتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں (احمد، بیہقی)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "جو شخص انسانوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں (ترمذی، مشکوٰۃ)

---

سو رہی تھی۔ وہ اپنے بستر سے رینگتی ہوئی آہستہ آہستہ کٹیا کے باہر آ گئی۔

باہر چاند طلوع ہو رہا تھا۔ ابھی رات پوری طرح روشن نہیں ہوئی تھی۔ آس پاس کی جھونپڑیوں میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی کٹیا کے پیچھے آ گئی۔ وہاں کچھ دیر جھاڑیوں میں چھپ کر آہٹ لیتی رہی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ رات کے پچھلے پہر سب گہری نیند سو رہے ہیں تو وہ دبے قدموں اس طرف جانے لگی، جہاں کارٹر کبھی اس کا انتظار کیا کرتا تھا۔

یہ نادانی تھی کہ اتنے عرصے بعد وہ اس کی تلاش میں جا رہی تھی۔ اس وقت اس کے دماغ میں دو ہی باتیں تھیں۔ ایک تو اسے کارٹر پر اعتماد تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے گا۔ اگر وہ انتظار نہ کرے اور اسے محبوب کا سہارا نہ ملے تب بھی وہ اس قبیلے میں نہیں رہے گی۔ جہاں تک تنہا جا کر جا سکتی ہے چلی جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ پاپالونی اس کے دماغ پر آسیب کی طرح چھایا ہوا تھا۔ وہ کسی وقت بھی نیرادلین سے واپس آ سکتا تھا۔ وہ انہی راستوں سے گزرتا اور اس کے راستے کا پتھر بن جاتا۔

چاند پوری طرح روشن ہو گیا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دور دور تک دیکھتی جا رہی تھی۔ نہ دوست نظر آ رہا تھا نہ دشمن۔ وہ جنگل کا کا تختہ ویران تھا، جہاں اس نے کارٹر کے ساتھ کئی یادگار راتیں گزاری تھیں۔

"کارٹر! تم کہاں ہو کارٹر!" اس نے بے اختیار آواز دی۔ پھر اس نے جلدی سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی آواز دشمن کے کانوں تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ وہ مجبور ہو کر بول پڑی تھی۔ یہی وہ وقت ہوتا تھا جب پاپالونی کا جادو بے اثر ہو جاتا تھا اور اسے بولنے کیلئے زبان مل جاتی تھی۔

جنگل کے سناٹے میں نہ جانے اس کی آواز کہاں تک گئی پھر وہ سہم کر درخت کے پیچھے چھپ گئی۔ اسے گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دے رہی تھیں۔ مگر کہیں گھوڑا نہ نظر آ رہا تھا۔ وہ کبھی دوڑتا تھا اور کبھی رک جاتا تھا کر رفتہ رفتہ قریب آ رہی تھی۔ پھر پاپالونی کی مخصوص آواز سنائی دی۔

"ہرّا... ہرّا..." روزا نے چشم تصور میں دیکھ رہی تھی۔ پاپالونی کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر دوڑا رہا تھا اور وحشیانہ انداز میں ہرّا ہرّا چیختے ہوئے کسی پر حملہ کر رہا تھا۔

وہ کس پر حملہ کر رہا تھا؟ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ کوئی دوڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا جہاں وہ چھپی ہوئی تھی۔ پاپالونی ہاتھ میں کلہاڑی اٹھائے اس دوڑنے والے کے پیچھے اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا روزا کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس نے چیخ کر آواز دی۔

"کارٹر!"

اس کی آواز پر کارٹر کے قدم رک گئے۔ پاپالونی اس کے سر پر آ پہنچا۔ عین وقت پر کارٹر کو ہوش آ گیا کہ آگے صرف زندگی نہیں پکار رہی ہے پیچھے سے موت بھی للکار رہی ہے۔ کلہاڑی کے لہراتے ہی وہ اچھل

کر پیچھے چلا آیا اور گھاس پر گر کر لڑھکنے لگا۔ گھوڑا اپنی روانی میں آگے نکل گیا تھا۔ پاپالوئی نے لگام کھینچ کر اسے روکا۔ اسے اپنے شکار کی طرف موڑا اور پھر ایڑ لگا کر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ کارٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بھاگنے کی بجائے اس کے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ بھرپا۔ بھرپا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔ پھر اچانک کھٹک کی آواز آئی اور پاپالوئی گھوڑے کی پیٹھ پر سے الٹ گیا۔ کارٹر نے ایک پتھر سے اس کی پیشانی کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ ایسا غیر متوقع حملہ تھا کہ پاپالوئی گرتے وقت رکاب سے پاؤں نہ نکال سکا۔ اس کے ہاتھ سے کلہاڑی چھوٹ کر گر پڑی تھی اور وہ بھاگتے ہوئے گھوڑے کے ساتھ زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ تڑپ تڑپ کر رکاب سے پاؤں نکالنے کی کوشش کر رہا تھا اور بار بار گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں تلے روندا جا رہا تھا۔ بدک جانے والا گھوڑا آسانی سے قابو میں نہیں آتا۔ اب تو وہ اپنے قبیلے میں ہی جا کر دم لیتا۔

روزا دوڑتی ہوئی آ کر کارٹر سے لپٹ گئی۔

"مجھے یقین تھا کارٹر کہ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔"

کارٹر نے اسے چوم کر کہا۔ "میں ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ فلم یونٹ ایک ہفتہ پہلے ہی جا چکا ہے لیکن میں تمہارے لیے رک گیا۔ مجھے یقین تھا کہ موقع ملتے ہی تم یہاں ضرور آؤ گی۔ آؤ۔ اب ہمارا یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

اس نے کلہاڑی اٹھالی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگا۔

بہت دیر تک دوڑنے کے بعد جب انھیں یقین ہو گیا کہ فی الحال ان کا پیچھا نہیں کیا جا رہا ہے تو وہ ذرا سانسیں درست کرنے کے لیے رک گئے اور آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ روزا نے کہا۔

"وہ گھوڑا سیدھا پاپا کو ان کی کٹیا کے سامنے جا کر روکے گا۔"

"ہاں۔" کارٹر نے کہا۔ "اتنی دور گھسٹنے کے بعد وہ اس قابل نہیں رہے گا کہ کسی سے ہمارے متعلق کچھ کہہ سکے۔ اس کم بخت نے اچانک ہی مجھ پر چھلانگ لگائی تھی۔ میرے ہاتھ سے پستول نکل کر نہ جانے کہاں چلا گیا، ورنہ میں اسی وقت اسے ختم کر دیتا۔"

وہ باتیں کر رہے تھے۔ کبھی تیزی سے چل رہے تھے، کبھی دوڑ لگا رہے تھے۔ اس دوران کسی نے ان کا پیچھا نہیں کیا۔ کارٹر کا خیال درست تھا۔ پاپالوئی اپنے قبیلے تک پہنچتے پہنچتے بے ہوش ہو گیا تھا اس لیے فوری طور پر کوئی نہ جان سکا کہ وہ کہاں سے شکست کھا کر آ رہا ہے۔

وہ دونوں ایک گھنٹہ بعد اس لوکیشن پر پہنچ گئے، جہاں ایک ہفتہ پہلے شوٹنگ ہو رہی تھی۔ ڈاک بنگلے کے سامنے وائٹ کارٹر کے پرانے ماڈل والی کیڈی لاک کھڑی تھی۔ اس نے ڈاک بنگلے سے اپنا سامان نکال کر گاڑی میں رکھا۔ چوکیدار کو کھانے پینے کا معاوضہ ادا کیا اور روزا کو لے کر وہاں سے پیٹن پلیس کی طرف چلا گیا۔

پیٹن پلیس میں کارٹر کا ایک ذاتی مکان تھا۔ وہ فرصت کے اوقات ہالی ووڈ کے ہنگاموں سے دور رہنے کا عادی تھا۔ لہٰذا زندگی کا کچھ حصہ سکون سے گزارنے کے لیے وہاں آ جایا کرتا تھا۔ روزا نے اسی مکان میں آ کر اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔ وہاں ایک طویل مدت کے لیے دشمنوں سے نجات مل گئی تھی۔ اسی مکان میں لانہ نے جنم لیا۔ وہی لانہ جو مشہور فلم اسٹار تھی۔ جو عادل منیر کی موجودہ ہیروئن تھی اور جو کہانی کے ایک اہم موڑ پر پہنچ کر اس لیے غائب کر دی گئی تھی کہ اس کی ماں ایک تھی اور باپ دو......

جیسا کہ روزا کا بیان تھا، اس لحاظ سے لانہ کا باپ کارٹر تھا۔ جیسا کہ شادی بیاہ کا قانون تھا، اس اعتبار سے لانہ کا باپ پاپالوئی تھا۔

بیس برس تک پاپالوئی اپنی بیٹی کا دعویٰ لے کر نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ وہ روزا کو تلاش نہ کر سکا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شہری زندگی گزارنے اور فلموں میں کام کرنے والا کارٹر اس کی بیوی کو پیٹن پلیس جیسی چھوٹی سی بستی میں چھپا کر رکھے گا۔ اس نے کارٹر کو بار بار ہالی ووڈ کے مختلف اسٹوڈیوز اور ہوٹلوں میں دیکھا۔ ایک آدھ بار دونوں کا سامنا بھی ہوا۔ پاپالوئی نے غرا کر ایک ہی سوال کیا۔

---
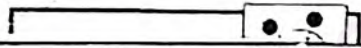
سمجھ دار شاعر نے غصے میں اپنی بیگم سے پوچھا: "میں نے رات جو غزل لکھی تھی، کہیں نہیں مل رہی۔ آخر کہاں کھو گئی؟ میرا خیال ہے تمہارے صاحبزادے نے ضرور اسے انگیٹھی میں جھونک دیا ہے"۔

"یہ ناممکن ہے" بیگم نے سر ہلاتے ہوئے کہا "منا اگر پڑھ سکتا تو میں یقین کر لیتی یہ کام ضرور کسی سمجھ دار آدمی نے کیا ہے"

■

☆☆۔ "پچھلی بار تم نے چھٹی لی تھی تو کہا تھا کہ میری بیوی بیمار ہے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ ساس کو لاہور چھوڑنے کے لئے اور دو مرتبہ بچے کی سالگرہ کے لئے چھٹی لے چکے ہو۔ اب تمہیں کیا مسئلہ درپیش ہے؟" باس نے چھٹی کے خواہشمند کلرک سے پوچھا۔

"جناب اب میری شادی ہے۔" کلرک نے جواب دیا۔

□

"روزا کہاں ہے؟"

غراہٹ کو جواب غراہٹ سے ملا! "وہ جہاں بھی ہے تم قیامت تک نہیں پہنچ سکتے! اس کا خیال چھوڑ دو۔"

پاپالوئی نے مٹھی باندھ کر اپنے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"روزا میری بیوی ہے اور لانا میری بیٹی ہے۔ میں انھیں ایک دن ضرور لے جاؤں گا!"

کارٹر نے کبھی اسے موقع نہیں دیا کہ وہ پچیس برس کا بدلہ لے کرے۔ وہ دونوں اپنے اپنے طور پر روزا اور لانا کا فیصلہ اپنے حق میں کر رہے تھے۔ کارٹر ان کے لیے قانون کا سہارا نہیں لے سکتا تھا کیونکہ امریکن اور ریڈ انڈین کے درمیان پرامن زندگی گزارنے کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ امریکی حکومت ریڈ انڈین کی حیثیت سے جان و مال اور عزت آبرو کا تحفظ کرتی تھی کارٹر کو چونکہ اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ اس قبیلے کی کسی لڑکی کو اپنے پاس رکھے دوسری طرف پاپالوئی بھی قانونی کارروائی سے گریز کر رہا تھا۔ اس کے دو بیٹا بنیامن کے قتل میں جو ملوث تھا۔ وہ بچپن میں روزا کو اٹھا لائے تھے اس لیے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ جرم ثابت نہ ہو جائے۔

روزا کی وہی حالت تھی۔ بچپن سے آدھی رات تک کوئی نہ کوئی بات تھی کہ کارٹر نے اپنے علاقے میں اسے گونگی اور بہری مشہور کر رکھا تھا۔ آدھی رات کے بعد کون یہ دیکھنے آتا کہ وہ بولتی بھی ہے کیونکہ ڈرتا تھا کہ ایسی حیرت انگیز باتیں فوراً ہی اخباروں کی زینت بن جاتی ہیں اور روزا کا وہ حیرت انگیز راز ہر گز نہ کہیں ایک زبان سے دوسری زبان ہوتا ہوا پاپالوئی تک پہنچ سکتا تھا اور روزا کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ لہٰذا روزا نے بھی اسی میں بھلائی سمجھی کہ گونگی بنی رہے۔

لانا اپنی ماں پر گئی تھی۔ وہی ناک نقشہ، وہی خدوخال۔ ماں کے برابر لمبی ہوئی تو جیسے روزا کی گزری ہوئی جوانی واپس آ گئی۔ ایسی بات نہیں تھی کہ بیٹی کے جوان ہوتے ہی روزا بوڑھی ہو گئی ہو۔ عورت فکر و پریشانی سے آزاد ہو۔ اچھی خوراک ملتی ہو۔ ہر طرح کا عیش و آرام ہو تو وہ چالیس برس میں بھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ روزا جسمانی لحاظ سے صحت مند تھی لیکن جب بیٹی سامنے آتی تو عمر کا فرق واضح ہو جاتا تھا۔ لانا کھلنے اور نہ کھلنے کے درمیان ایک نوشگفتہ کلی تھی اور روزا ایک ایسا پھول تھی جو اب تب میں مرجھانے کی طرف مائل ہو رہا ہو۔

اگر عورت اپنے جذبات سے جوان رہتی ہے تو روزا آج بھی جوان تھی کیونکہ لانا نے اپنی ماں کی چھپی ہوئی خواہشات کو سمجھ لیا تھا۔ ایک رات اس نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی سے دیکھا۔ باہر لان میں روزا بستی کے ایک نوجوان کے ساتھ کھڑی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔ بیڈ روم میں اندھیرا تھا اس لیے وہ دونوں لانا کو نہ دیکھ سکے۔ نوجوان نے باتوں کے دوران روزا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا! اس کی بانہیں بھی نوجوان کی گردن میں حمائل ہو گئیں اور لانا کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر اپنے بستر پر آ گئی۔

یہ وہی روزا تھی جس نے کارٹر کے لیے پاپالوئی کے مظالم برداشت کیے تھے اور اس قبیلے کو چھوڑ آئی تھی۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ بیس برس کے عرصے میں وہی روزا کارٹر کے لیے پرانی ہو گئی تھی۔ فلمی دنیا میں آئے دن نئی نئی لڑکیاں شب بسری کے لیے مل جاتی تھیں۔ وہ گھر کی چار دیواری میں ایک ہی ریکارڈ بجاتے بجاتے اکتا گیا تھا۔ محض اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے سال میں ایک آدھ ماہ روزا کے ساتھ گزارتا تھا۔ وہ بھی اس طرح کہ اس کا زیادہ وقت نصیحتیں کرتے گزرتا تھا۔

نصیحتیں کچھ یوں تھیں؟ "روزا! اب ہم بوڑھے اور ذمہ دار ہیں۔ ہمیں اپنی جوان بیٹی کے متعلق زیادہ سوچنا چاہیے۔ تمھیں گزری ہوئی جوانی کو بھول کر صرف امور خانہ داری کی طرف دھیان دینا چاہیے...."

جو لوگ باہر جوان رہتے ہیں اور گھر کی چار دیواری میں بیوی کے سامنے بوڑھے بن کر نصیحت کرتے ہیں، وہ دراصل بیوی کو بوڑھی سمجھ کر فریب کھاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کمزور عورت کے اندر بھی آگ بھڑکتی ہے جو یہاں نہ بجھے تو کہیں اور جا کر بجھ جاتی ہے۔

روزا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ برسوں کے انتظار سے گھبرا کر دوسری راہوں میں بھٹک گئی۔ وہ گناہ گار تھی اور کارٹر خطا کار تھا جس گھر کے چراغ میں تیل کم پڑ جائے اس کمی کو پڑوسی یا محلے والے پورا کر دیتے ہیں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب لانا بھی اپنے باپ کی طرح فلموں میں کام کرنے لگی تھی۔ پہلی فلم کی تکمیل کے بعد جب اس کے پوسٹر جگہ جگہ چسپاں ہونے لگے اور اخبارات میں تصویریں آنے لگیں تو پاپالوئی ان تصویروں کو دیکھ کر چونک گیا۔ پہلے تو اس نے یہی سمجھا کہ وہ روزا ہے لیکن بالی وڈ پہنچ کر پتہ چلا کہ لانا اس کی بیٹی ہے اور فلمی حلقوں میں وہ مسٹر کارٹر کی بیٹی سمجھی جاتی ہے۔

پاپالوئی چھپ چھپ کر دیکھتا رہا اور صبر کرتا رہا۔ وہ لانا کو ساتھ لے جانے کے لیے موقع کی تلاش کر رہا تھا۔ پھر ایسے وقت موقع ملا جب لانا اور عادل ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے۔ عادل نے امریکی امداد کی طرح لانا کے بوسوں کو بھی ہضم کر لیا تھا۔ اب ایک نہایت ہی جذباتی منظر کی فلمبندی کا وقت آ گیا تھا۔ اس کے بعد لانا اپنے ہیرو سے بچھڑ جاتی اسی وقت وہ سچ مچ بچھڑ گئی۔ پاپالوئی اسے اغوا کر لے گیا۔

ولیم کارٹر نے پولیس کو جو بیان دیا، اس میں تمام حقائق موجود نہیں تھے۔ کچھ حقیقتیں ایسی تھیں جنھیں وہ خود نہیں جانتا تھا۔ مثلاً وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ راکھ کے اندر چنگاری دبی رہتی ہے اور چالیس برس کی روزا اس چنگاری کو دبائے بھٹک رہی ہے۔ بعض اوقات جس بات کو اہمیت نہیں دی جاتی، وہی بات زندگی کی داستان کو ایک چونکا دینے والے

اختتام تک پہنچا دیتی ہے۔

ایک ماہ کے بعد برساتی خان نے بیزار ہو کر کہا: "ہم کب تک اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے۔ پولیس پاپا ہناسن کے قبیلے میں گئی تھی وہاں بھی وہ نہ ملی۔ یہاں لاکھوں ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔"

امریکی فلمساز آرتھر نے بھی تشویش کا اظہار کیا۔ "ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ شوٹنگ نہیں ہو گی تو پروڈکشن کے اخراجات بڑھتے رہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہم ان مناظر کی فلم بندی کریں جن میں لانہ کی انٹری نہیں ہے۔ اگر وہ واپس آ گئی تو اچھی بات ہے ورنہ کسی دوسری ہیروئن سے سائن کر کے لانہ کے سین ری شوٹ کیے جائیں گے۔"

کاروباری انداز میں فیصلہ ہو گیا کہ لانہ واپس آئے یا نہ آئے اب شوٹنگ نہیں رکے گی۔ عادل کو ان کی سرمایہ دارانہ ذہنیت پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ کسی کی رہنمائی میں پاپا ہناسن کے قبیلے تک جانا چاہتا تھا مگر دونوں فلمسازوں نے دوسرے دن شوٹنگ کی تاریخ مقرر کر دی۔ فلمساز برساتی خان نے اسے سمجھایا۔

"جسے امریکہ کی پولیس اور جاسوس تلاش نہ کر سکے، اسے تم کہاں تلاش کرو گے۔ یہ سراسر پاگل پن ہے۔ اس کا خیال چھوڑ دو۔"

وہ لانہ کا خیال نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ آخر انسانی ہمدردی بھی تو کوئی چیز ہے۔ وہ بے چاری نہ جانے جنگلوں کے درمیان کیسے زندگی گزار رہی ہو گی۔ اس کے متعلق سوچ سوچ کر وہ بے چین ہو جاتا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ پردیس میں تھا۔ اپنے دیس میں ہوتا تو شوٹنگ ملتوی کر کے لانہ کی تلاش میں نکل جاتا۔ امریکی فلمساز اسے معاہدے کے مطابق کام کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

دوسرے دن اسٹوڈیو میں ایک بیڈ روم کا سیٹ لگ گیا۔ وہ کارٹر کا بیڈ روم بنایا گیا تھا۔ اس سیٹ کا سین یہ تھا کہ ریڈ انڈین قبیلے کا نوجوان (عادل) اپنی محبوبہ سے ملنے آتا ہے اور اپنی محبوبہ (لانہ) کا کمرہ سمجھ کر کارٹر کے بیڈ روم میں داخل ہو جاتا ہے۔ کارٹر اپنے دشمن کے بیٹے کو پہچان لیتا ہے اور ایک تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر اسے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ عادل اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ اس سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی چھینا جھپٹی میں گولی چل جاتی ہے اور اپنے دشمن کو مارنے والا کارٹر خود مر جاتا ہے۔

عادل ریڈ انڈین نوجوان کے میک اپ اور گیٹ اپ میں تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگ ریڈ انڈین کے بہروپ میں تھے۔ ان کی صرف ایک ہی انٹری تھی۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ عادل اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں آیا ہے۔

شوٹنگ شروع ہو گئی۔ عادل اور کارٹر منجھے ہوئے اداکار تھے۔ کیمرے کے سامنے بہترین فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس منظر کے کئی شاٹس لیے گئے۔ ہر شاٹ ایک یا دو ٹیک میں اوکے ہو جاتا تھا۔ پھر وہ شاٹ شروع ہوا جب کارٹر تکیے کے نیچے سے ریوالور نکالتا ہے۔

کیمرہ اسٹارٹ ہوتے ہی کارٹر گھوم کر تکیے کے نیچے سے ریوالور نکالنے لگا۔ عادل نے فوراً ہی چھلانگ لگا کر اسے پیچھے سے دبوچ لیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے کارٹر کے اس ہاتھ کو پکڑ رکھا تھا جس میں ریوالور تھا۔ کارٹر اس کی گرفت سے نکلنے اور ریوالور والے ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دونوں ایک طویل جدوجہد میں مصروف تھے۔ اسی وقت ٹھائیں کی آواز گونجی اور کارٹر اس کی گرفت میں تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ فوراً ہی کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ گولی کہاں سے چلی، کیونکہ کارٹر کے ہاتھ میں نقلی ریوالور تھا۔ مگر عادل نے دیکھ لیا۔ سامنے بیڈ روم کی کھڑکی سے ایک ریڈ انڈین نے گولی چلائی تھی۔ کارٹر کے سینے سے بہتے ہوئے خون کی گرمی کو عادل نے محسوس کیا۔ اس کی لاش کو زمین پر ڈالا اور دوڑتا ہوا چھلانگ لگا کر کھڑکی کے دوسری طرف چلا گیا۔ قاتل اس وقت تک اسٹوڈیو فلور سے باہر جا چکا تھا۔ عادل نے باہر کی جانب دوڑتے ہوئے اپنے پیچھے بہت سی آوازیں سنیں۔ ان کی چیخ و پکار سے پتہ چل رہا تھا کہ انھیں کارٹر کے مرنے کا یقین بہت دیر بعد ہوا ہے۔

وہ اسٹوڈیو کمپاؤنڈ میں آیا تو ایک پک اپ گیٹ سے باہر بھاگی جا رہی تھی۔ اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ریڈ انڈین کو اس نے پہچان لیا۔ وہ فوراً ہی امریکی فلمساز آرتھر کی کار میں بیٹھتا ہوا اس کے ڈرائیور سے بولا۔

"جلدی چلو۔ آگے جو پک اپ جا رہی ہے اس کا پیچھا کرو۔"

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا اسٹوڈیو کمپاؤنڈ سے باہر آ گیا۔ آگے بہت دور وہ پک اپ نظر آ رہی تھی۔ کار کی رفتار بڑھنے لگی۔ عادل ڈرائیور کو بتا رہا تھا کہ پک اپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کس طرح کارٹر کو قتل کیا ہے۔ "تعجب تو اس بات کا تھا کہ ایک ریڈ انڈین کو فرار ہونے کے لیے ایک پک اپ مل گئی تھی۔" ڈرائیور نے کہا۔

"یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ وہ پک اپ کسی اسمگلر کی ہو گی۔ اسمگلنگ کرنے والے اپنا مال ان قبیلوں میں لے جا کر چھپاتے ہیں اور ان کے ذریعے سرحد پار بھیجتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ان ریڈ انڈین باشندوں کے بھی کام آتے ہیں۔ جیسا کہ اس وقت کوئی اسمگلر اس قاتل ریڈ انڈین کے کام آ رہا ہے۔"

ڈرائیور باتیں کر رہا تھا اور وہ فکر بڑھتا جا رہا تھا کہ پک اپ ڈرائیو کرنے والا بھی ہوشیار تھا اسے زیادہ سے زیادہ فاصلہ رکھے ہوئے تھا اور ایسے راستوں سے گزرتے ہوئے شہر کے باہر جا رہا تھا جہاں ٹریفک زیادہ نہیں ہوتی۔ عادل کی نظریں اس شخص پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کارٹر کو قتل کرنے والا یقیناً کرائے کا ہوگا۔ اس سے ایک غلطی ہوئی تھی کہ اس نے کبھی کارٹر سے یا پالوکی کے بارے دریافت نہیں کیا تھا۔ ویسے قیاس یہی تھا کہ وہ پاپولی ہے۔

شہر کے باہر آکر پک اپ کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ کار کی رفتار بھی بڑھتی جا رہی تھی اس بوڑھے ڈرائیور سے پتہ چل رہا تھا کہ جب تک پٹرول کی ٹنکی خالی نہیں ہو گی، دونوں ہی آگے پیچھے بھاگتے رہیں گے۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے میں سو میل سے زیادہ فاصلہ طے کر گئے۔ کبھی وہ ایک دوسرے کے قریب ہو رہے تھے اور کبھی دور ہو جاتے تھے۔ ایک بار قریب ہوتے وقت عادل نے ڈرائیور سے کہا۔

”پک اپ کا نمبر اچھی طرح یاد کر لو۔ پولیس والوں کو بیان دیتے وقت یہ نمبر بتانا ہوگا۔“

پتہ نہیں ڈرائیور نے پک اپ کا نمبر یاد کیا یا نہیں۔ وہ پک اپ پھر دور نکل گئی۔ جس راستے سے وہ گزر رہے تھے اس کے ساتھ ساتھ ریل کی پٹری بھی جا رہی تھی۔ بیس میل اور آگے جانے کے بعد ایک گڈز ٹرین نظر آئی۔ اس کی رفتار اتنی سست تھی کہ کچھ دیر بعد ان کی گاڑیاں اس ٹرین کے برابر دوڑنے لگیں۔ پک اپ ٹرین کے اگلے حصے کی طرف تھی اور کار پچھلی طرف۔ پھر اچانک پک اپ کی رفتار سست ہوئی۔ قاتل پچھلی سیٹ سے چھلانگ لگا کر ٹرین کے ساتھ دوڑنے لگا۔ پک اپ دوبارہ تیز رفتاری سے بھاگی جا رہی تھی۔ ٹرین کے ساتھ دوڑنے والا ایک کھلے ڈبے میں سوار ہو گیا تھا۔

عادل کی کار بھی رک گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا اور ٹرین کے ساتھ دوڑنے لگا۔ کھلے ڈبے کے دروازے کا ایک پٹ نیچے لٹک رہا تھا۔ جیسے ہی وہ ڈبہ اس کے قریب گزرنے لگا، وہ اچھل کر اس سے لٹک گیا۔ کار کا ڈرائیور حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ ڈبے کے اندر چلا گیا تو ڈرائیور نے پھر ایک بار پک اپ کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

عادل نے ڈبے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ دوسری جانب سے وہ قاتل بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے درمیان دس ڈبے حائل تھیں۔

ٹرین اس وقت ایک پل پر سے گزر رہی تھی۔ ریل کی پٹری کے ساتھ چلنے والا راستہ دوسری طرف مڑ گیا تھا۔ دنیا کے بازو ٹرین کے اطراف دور دور تک ہریالی نظر آ رہی تھی۔ عادل اس ڈبے کی آہنی دیوار پر کھڑا ہو گیا اور وہاں سے چھلانگ لگا کر دوسرے ڈبے میں پہنچ گیا۔

دوسرے ڈبے سے اس نے سر اٹھایا تو ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ تب اسے خیال آیا کہ دشمن نہتا نہیں ہے۔ اب وہ گولیاں چلا کر اسے قریب آنے سے روکے گا۔ عادل آہنی دیوار سے لگ کر سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جرأت سے کام لے کر ایک بار سر اٹھایا۔ اس بار دوسری طرف سے فائر نہیں کیا گیا۔ وہ عادل کے جھکنے سے فائدہ اٹھا کر ڈبے سے باہر چھلانگ لگانا چاہتا تھا۔ عادل نے چیخ کر کہا۔

”یو ڈرٹی ڈاگ!“

اس کی آواز سنتے ہی ریڈ انڈین قاتل ڈبے کی پتلی سی دیوار پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور دو ڈبوں کے درمیان گر پڑا۔ اس کی ایک مختصر سی چیخ سنائی دی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ عادل نے فوراً ہی ڈبے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ تھوڑی دور گھاس پر لڑھکتا ہوا گیا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

بھاگتی ہوئی ٹرین کے نیچے اس قاتل کے جسم کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔ پٹری سے باہر وہ ریوالور پڑا ہوا تھا۔ جب ٹرین گزر گئی تو اس نے ریوالور کو اٹھایا اور اس کے چیمبر کو دیکھنے لگا۔ ایک گولی نے کارٹر کا خاتمہ کیا تھا۔ دوسری گولی اسے ختم کرنا چاہتی تھی مگر وہ بچ گیا۔ اب چیمبر میں چار گولیاں رہ گئی تھیں۔

وہ مایوسی سے اس لاش کے ٹکڑوں کو دیکھنے لگا۔ اس نے سوچا تھا کہ قاتل گرفت میں آئے گا تو اس کے ذریعے ڈیزی تک پہنچ جائے گا مگر وہ زبان کھولنے سے پہلے ہی حرام موت مر گیا۔

عادل چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی قریبی آبادی میں پہنچ کر اپنے فلم سازوں سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ جہاں سے وہ ٹرین پر سوار ہوا تھا وہاں سے یہاں تک کوئی بستی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ ریل کی پٹری چھوڑ کر گھاس کے اونچے نیچے میدانوں کی طرف چل پڑا۔

اس وقت شام ہو رہی تھی۔ درختوں کے سائے پھیل رہے تھے۔ وہ ایک انجانے علاقے میں انجانی منزل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے کوئی بستی ہے یا جنگل۔ نگاہوں کے سامنے دور دور تک اونچے نیچے ٹیلے تھے۔ سطح زمین پر قد آدم گھاس اگی ہوئی تھی۔ ان کے درمیان سے گزرتے وقت بدن میں ہلکی ہلکی خراشیں پڑ رہی تھیں۔ قاتل کے پیچھے بھاگنے کی دھن میں اسے یاد نہ رہا کہ وہ ایک ریڈ انڈین نوجوان کے بہروپ میں چلا آیا ہے۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلون تھی، جس کے پائنچے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ اوپر کا آدھا دھڑ ننگا تھا۔ اس کے چہرے، سینے اور بازوؤں پر مختلف رنگوں سے اوٹ پٹانگ قسم کے نقش بنے ہوئے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک ریڈ انڈین نظر آ رہا تھا۔

وہ نہ جانے کتنی دیر تک اور کتنی دور تک چلتا رہا۔ جب شام کے سائے گہرے ہونے لگے تو اسے دور نشیب میں کھڑی ہوئی ایک کاٹیج نظر آیا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا نشیبی راستے پر چلنے لگا۔ کاٹیج قریب آتا جا رہا تھا۔ وہ کاٹیج کے قریب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پھر وہ اچانک اچھل کر ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا اور حیرانی سے اس عورت کو دیکھنے لگا جو کاٹیج کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

اس نے گردن سے پنڈلیوں تک ایک ڈھیلا ڈھالا سا گون پہنا ہوا تھا۔ دو چوٹیاں شانوں پر سے ہوتی ہوئی سینے کی طرف لٹک رہی تھیں۔ کپڑے کی ایک پٹی پیشانی سے سر کے پچھلے حصے تک بندھی ہوئی تھی۔ وہ ایک ریڈ انڈین عورت تھی — اور وہ روزا تھی۔

روزا — لانہ کی ماں اس ویرانے میں کیسے آ گئی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ وہ قاتل چلتی ٹرین سے کیوں چھلانگ لگا رہا تھا۔ شاید وہ اسی طرف آنا چاہتا تھا! اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاپا لوئی روزا کو بھی یہاں لے آیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ لانہ بھی یہاں موجود ہو۔

وہ صحیح منزل پر پہنچ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ درخت کی آڑ سے نکل کر اس نے آواز دی۔

"مسز کارٹر!"

اس کی آواز پر روزا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر بولا۔

"آپ نے مجھے پہچانا — میں عادل منیر ہوں۔ ایک بار پیٹن پیس میں آپ کے ہاں ڈنر پر آیا تھا۔ میں آپ کی بیٹی لانہ کے ساتھ ہیرو کا کردار ادا کر رہا ہوں۔ لانہ کہاں ہے؟"

وہ عادل کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اسے کچھ یاد آیا تو وہ جلدی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ اپنے چہرے کو چھونے لگی۔ شاید اپنے بڑھاپے کو محسوس کر رہی تھی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا اور دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے مسز کارٹر؟ اس ویرانے میں اپنے ایک ساتھی اداکار کو دیکھ کر خوش ہونا چاہیے مگر آپ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی ہیں. . ."

عادل کو اچانک خیال آیا کہ وہ ایک گونگی کو مخاطب کر رہا ہے، جو اس کی زبان سے کچھ سن سکتی ہے۔ نہ اپنی زبان سے کچھ بول سکتی ہے۔

اس نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ گونگی آواز میں بڑبڑاتی ہوئی دو قدم دور چلی گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ عادل چند لمحوں تک اسے پریشانی سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے تھام لیا اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کو ان ظالموں کی قید سے چھڑا کر لے جاؤں گا۔ پلیز یہ بتایئے کہ لانہ کہاں ہے؟"

وہ بھلا کیا جواب دیتی۔ یکبارگی اس سے لپٹ گئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ وہ ایسے مچل مچل کر لپٹ رہی تھی جیسے عادل کے اندر جذب ہو جانا چاہتی ہو۔ عادل کو اس کا یہ انداز کچھ عجیب سا لگا۔ وہ روزا تھی اور لانہ کے انداز میں ہم آغوش ہو رہی تھی۔ چہرے اور جسامت میں دونوں ماں بیٹی کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ صرف عمر کے لحاظ سے روزا کا جسم ذرا بھاری ہو گیا تھا۔ چہرے پر حادثات زمانہ کی سختیاں اور تلخیاں آ گئی

# خاموش رہیئے

مشہور کامیڈین برٹ لاہر، ایک فلم میں کام کر رہا تھا۔ شوٹنگ کے دوران ایک رقاصہ بے ہوش ہو گئی اسے لاہر کے ڈریسنگ روم میں لا کر لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے آیا تو لاہر میک اپ کر رہا تھا۔

"تمہیں اکثر چکر آتے ہونگے —" ڈاکٹر نے رقاصہ سے پوچھا۔

"نہیں!"

"ڈریسنگ ٹیبل سے لاہر کی آواز آئی۔ "کبھی کبھی مجھے چکر آتے ہیں ڈاکٹر۔"

"پیٹ میں اینٹھن محسوس ہوتی ہے؟"

"نہیں —"

"ڈاکٹر" لاہر بولا۔ "کبھی کبھی میرے پیٹ میں تو ہوتی ہے۔"

"تمہارا منہ خشک تو نہیں ہو جاتا؟"

"نہیں۔"

"میرا تو ہر وقت خشک رہتا ہے —"

ڈاکٹر نے ناراضگی سے لاہر کو دیکھا اور بولا۔

"آپ ذرا خاموش رہیئے مسٹر لاہر! میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ خاتون حاملہ تو نہیں ہیں؟"

مرسلہ: ندیم کاظمی

تھیں، اس کے باوجود اس کے جسم میں ایک آگ تھی جسے عادل محسوس کر رہا تھا۔

پھر روزا نے عجیب سی حرکت کی۔ رونے اور لپٹنے کے دوران اس نے دونوں ہاتھوں سے عادل کے چہرے کو تھام لیا اور اسے اپنے چہرے پر جھکانے لگی۔ وہ گویا اشارہ تھا کہ مجھے پیار کرو۔

یہ درست ہے کہ ان کی تہذیب میں بوسوں کے مزاج بدلتے رہتے ہیں مگر عادل اس تہذیب کا پروردہ نہیں تھا۔ وہ لاذ کو چاہتا تھا اور صرف اس کے لبوں کو چوم سکتا تھا مگر روزا کا احترام کرنا بھی ضروری تھا۔ اس نے ہونٹوں کی بجائے اس کے رخسار کا بوسہ لیا۔ اسی وقت روزا نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہ بوسہ رخسار سے پھسلتا ہوا ہونٹوں پر آکر ٹھہر گیا۔

عادل نے ایک جھٹکے سے اسے پرے ہٹا دیا۔ تب اسے یاد آیا۔ ایک بار لاذ نے عادل سے کہا تھا۔

"میری ممی پیاسی ہیں۔ ہماری تہذیب میں یہی ایک خرابی ہے کہ ہم اپنے باپوں کی تعداد یاد نہیں رکھ سکتے۔ میری ممی ان دنوں میرے تیسرے باپ کی جستجو میں بھٹک رہی ہے۔"

مغربی ممالک کی لڑکیاں بڑی بے باکی سے اپنے والدین کے جنسی مسائل پر بحث کرتی ہیں۔ عادل تاڑ گیا اور سمجھ گیا تھا کہ روزا اس سے کیا چاہتی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس گتھی کو کس طرح سلجھائے۔ وہ یہاں محض اپنی لاذ کے لیے بھٹکتا ہوا آیا تھا اور دشمنوں کے علاقے میں تھا لیکن روزا کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ اسے دوسرے مسئلے میں الجھا رہی تھی۔

اس نے روزا کو سمجھانے کی ایک ترکیب سوچی۔ وہ ایک درخت سے پتلی سی ٹہنی توڑ لایا اور اس ٹہنی کے سرے سے زمین پر لکھنے لگا۔

"آپ لاذ کی ممی ہیں۔ میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔"

روزا نے اس تحریر کو پڑھ کر تعجب سے عادل کو دیکھا، پھر اس کے ہاتھ سے ٹہنی لے کر لکھنے لگی۔

"میں روزا نہیں ہوں۔ لاذ ہوں۔ تمہاری لاذ ۔۔!"

عادل نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ بھلا یہ بھی کوئی یقین کرنے کی بات تھی کہ وہ لاذ ہے۔ اس شکل و صورت سے تو وہ بوڑھی دکھائی دیتی تھی۔ مگر عادل اندھا نہیں تھا۔ لاذ اور روزا کی عمر کے فرق کو صاف طور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نازک اندام تھی اور روزا فربہ اندام۔ لاذ سلمنے کھڑی تھی۔ پھر بھی وہ اس کے چہرے کی تازگی کو چشم تصور سے دیکھ رہا تھا اور جو سامنے کھڑی ہوئی تھی اس کے چہرے پر رخصت بہاراں کا سماں تھا۔ آنکھوں کے گوشے ڈھلکی ابرو جھکے ہوئے تھے۔ رخساروں کی لالی رخصت ہو گئی تھی۔ صرف سفیدی رہ گئی تھی۔ ہونٹ خاموش اور بے جان تھے۔ آنکھیں انتظار سے تھکی ہوئی تھیں اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی چوراہے پر کھڑی اپنے گاہک کا راستہ دیکھ رہی ہو۔

عادل نے پھر ایک بار اس ٹہنی سے لکھا۔

"آپ مذاق نہ کریں۔ میں لاذ کو دل کی آنکھوں سے پہچانتا ہوں مجھے بتائیے کہ وہ کہاں ہے؟"

اس وقت اندھیرا ہو چلا تھا۔ روزا آنکھیں سکیڑ کر اس کی تحریر کو یوں پڑھنے لگی جیسے بڑھاپے سے آنکھیں کمزور ہو گئی ہوں۔ اسے پڑھنے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے عادل کے ہاتھ سے ٹہنی لیکر لکھا۔

"لاذ تم سے مل سکتی ہے۔ مگر تم اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ تھوڑی دیر بعد پاپا لوئی یہاں آئے گا۔"

عادل نے لکھا "پاپا لوئی کا پورا قبیلہ آجائے تب بھی میں لاذ کو لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

روزا نے لکھا "میں ہی لاذ ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

اس بار عادل نے جھلا کر اس کے ہاتھ سے ٹہنی لیکر لکھا۔

"بڑھاپے میں آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ کو اپنی بیٹی کی زندگی اور اس کی حفاظت کا خیال نہیں ہے۔ آپ یہاں سے جانا چاہتی ہیں چلی جائیے۔ میں لاذ کا انتظار کروں گا۔"

روزا نے اسے بڑی محبت اور عقیدت سے دیکھا۔ پھر کاٹیج کی طرف جاتے ہوئے اشارے سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔۔۔"

وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا کاٹیج کے اندر گیا۔ وہ ایک بڑے سے کمرے کا کاٹیج تھا۔ پیچھے ایک چھوٹا سا کچن تھا۔ کمرے کی نصف چھت کے نیچے ایک مچان بنی ہوئی تھی۔ روزا نے مچان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارے سے سمجھایا کہ عادل کو وہاں چھپ کر رہنا چاہیے۔ پاپا لوئی اپنے آدمیوں کے ساتھ کسی وقت بھی وہاں آ سکتا ہے۔

عادل پوچھنا چاہتا تھا کہ لاذ کس وقت آئے گی۔ مگر وہاں لکھنے کا سامان نہیں تھا۔ کمرے کا فرش اور دیواریں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ پھر بھی اس نے دیوار پر اپنی انگلی سے خیالی تحریر میں لاذ کا نام لکھا۔ روزا نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اشارے سے کہا۔

"صبر کرو۔ وہ آئے گی۔"

یہ کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی۔ عادل نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اس ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے سوچنے لگا کہ دشمنوں سے کس طرح مقابلہ کر کے لاذ اور اس کی ماں کو یہاں سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس نے مچان پر چڑھ کر دیکھا۔ وہاں بینسوں اور بوتلوں کی کھالیں سکھا کر رکھی گئی تھیں۔ چھت پر روشندان کی طرح ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ عادل نے اس کھڑکی

سے سر نکال کر دیکھا۔ کھڑکی کا پٹ چھت کی طرف کھلا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں صرف چھت کا اوپری حصہ نظر آ رہا تھا ویسے دن کی روشنی میں چاروں طرف دشمنوں پر نظر رکھنے کے لئے وہ جگہ بہت اچھی تھی۔

وہ تہہ کی ہوئی کھالوں کے اسٹیک پر سے اتر کر مچان پر آ گیا۔ روزا ابھی تک کچن میں تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ کچن میں ہی رہے تو اچھا ہے، وہ ایسی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتی تھی کہ طبیعت کھنچی ہو جاتی تھی۔ عادل مچان پر بیٹھ کر اپنی لاش کے متعلق سوچنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ کچن سے کھانے کا سامان لا کر ایک کرسی کی بھدی سی میز پر رکھنے لگی۔ عادل مچان سے اتر کر آ گیا۔ میز پر مختلف ڈشوں میں ابالے ہوئے چاول، آلو کے قتلے، انڈوں کے آملیٹ اور ریڈ انڈین قبیلے کی شراب رکھی ہوئی تھی۔

تمام دن کی تھکن دور کرنے کے لئے شراب ضروری تھی۔ عادل ایک پیگ بنا کر پینے لگا۔ کھانے کے دوران اس نے اشاروں سے پوچھا۔

"پاپالوئی ابھی تک گھر کیوں نہیں آیا۔؟"

روزا نے لاعلمی کا اظہار کیا اور اس کے قریب آ کر دوسرا پیگ بنانے لگی۔ شراب بہت تیز تھی۔ دوسرے ہی پیگ میں کچھ گھومنے لگا۔ روزا کبھی لوزا۔ کبھی بوڑھی اور کبھی جوان نظر آنے لگی۔ اس نے تیسرے پیگ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو روزا نے اشارے سے کہا۔

"بس کرو۔ تمہیں ہوش میں رہنا چاہیئے۔"

اس نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "کیا تم مجھے بے ہوش سمجھتی ہو۔ جو دل میں بھی ہو۔ میں ایک ایک ریڈ انڈین کو گولی سے اڑا دوں گا۔ میرے پاس ریوالور ہے یہ دیکھو۔"

وہ پتلون کی جیب سے ریوالور نکال کر دکھانے لگا۔ روزا کو اچانک جانے کیا ہوا کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ پھر وہ لڑکھڑاتی ہوئی بستر پر جا کر گر گئی۔ عادل نے اس کی بدلتی ہوئی حالت پر دھیان نہیں دیا۔ وہ ریوالور کو میز پر رکھ کر تیسرا پیگ بنانے لگا۔

تیسرے پیگ کا ایک گھونٹ پیتے ہی اسے لوزا کی رسیلی آواز سنائی دی۔ "عادل۔!"

اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لوزا کی آواز کمرے میں سنائی دی تھی۔ اس نے پلٹ کر بستر کی جانب دیکھا تو پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

بستر پر جہاں روزا جا کر گر پڑی تھی۔ وہاں لوزا نظر آ رہی تھی۔ وہ نشے میں لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہی حسن، وہی شباب، وہی جانِ بہار۔ وہ لوزا تھی۔

"کیا میں نشے میں ہوں۔!" اس نے گلاس کو فرش پر پٹخ دیا۔ "نہیں۔ میں نشے میں نہیں ہوں۔ جس طرح مجھے یقین ہے کہ میں عادل ہوں اسی طرح یہ بھی یقین ہے کہ یہ لوزا ہے۔ یہ لوزا ہے۔۔۔"

وہ بستر پر بیٹھ گیا اور اسے چھو کر دیکھنے لگا۔ وہ لوزا تھی اور گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"مائی گاڈ۔! بڑھاپا ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔ اب میں کتنی ہلکی پھلکی ہو گئی ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ آج وقت سے پہلے ہی اس کا جادو بے اثر ہو گیا ہے۔"

عادل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"تت۔ تم۔ لوزا ہو۔؟"

"کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔؟"

"تو پھر تم اتنی دیر کہاں تھیں؟"

"تم واقعی نشے میں ہو۔ مگر نہیں۔ میں نے تو تمہیں بتایا ہی نہیں کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو عادل۔ ایسی جگہ لے چلو، جہاں اس بوڑھے کا جادو اثر نہ کر سکے۔"

"کیسا جادو۔ کون بوڑھا۔ تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

"اُف۔!" لوزا نے اپنا سر تھام کر کہا۔ "میں بہت پریشان ہوں صحیح طور سے یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ میں دن اور رات کا حساب بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں کتنے دنوں سے یہاں قید ہوں مجھے یوں لگتا ہے کہ میں صدیوں سے بوڑھی زندگی گزار رہی ہوں۔ سائی گاڈ نہ جانے وہ بوڑھا خبیث کب مرے گا۔ اسی نے مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔ اس کا نام پاپا بنجامن ہے۔ میرا دوسرا باپ پاپا لوئی پہلے مجھے اپنے قبیلے میں لے گیا تھا۔ وہاں میں نے ایک عجیب سی کٹیا دیکھی۔ وہ بالکل انسانی کھوپڑی کی طرح تھی۔ اس کے اندر پاپا بنجامن اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا۔ وہ بہت بوڑھا اور کمزور ہے۔ اتنا کمزور کہ ذرا سی ٹھوکر سے دم نکل جائے گا۔ پاپا لوئی نے اس سے کہا۔

"روزا کا پتہ نہیں چلا۔ پتہ نہیں کارٹر نے اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ یہ میری بیٹی اور تمہاری پوتی ہے۔ اس پر ہمارا حق ہے۔ میں اسے لے آیا ہوں۔ یہ تمہیں اپنی ماں کا پتہ بتائے گی۔"

میں نے غصے سے کہا۔ "میں نہیں بتاؤں گی۔ مجھے جان سے مار ڈالو تب بھی نہیں بتاؤں گی۔ میں تمہاری بیٹی نہیں ہوں۔ جب تک ممی تمہیں قبول نہ کریں۔ میں بھی تمہیں باپ کی حیثیت سے قبول نہیں کروں گی۔ تم نے میری مرضی کے خلاف مجھے یہاں لا کر بہت بڑا جرم کیا ہے۔ یاد رکھو۔ میں کوئی گمنام لڑکی نہیں ہوں۔ ایک مشہور فلم اسٹار ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کے لئے اس ملک کے ہر علاقے کی پولیس حرکت میں آ گئی ہوگی۔ اپنی بھلائی

چاہتے ہو تو مجھے واپس جانے دو۔"
وہ دونوں میری باتیں سن رہے تھے۔ پاپا ہنجامن نے نفرت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
"یہ لڑکی ہمارے لیے مصیبت بن جائے گی۔ میں اس کا حلیہ بدل دوں گا۔ یہ بوڑھی ہو جائے گی اور پولیس جوان لڑکی کو کوشش کرتی رہ جائے گی۔"
یہ کہہ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا۔ لرزتے ہوئے ہاتھ کی مٹھی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی ایک انگلی میں ایک انگوٹھی دیکھی اس پر ایک مردہ انسان کی کھوپڑی بنی ہوئی تھی۔ نہ جانے اسے دیکھتے ہی مجھے کیا ہو گیا۔ میں بالکل ساکت ہو گئی۔ وہ زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ایک انجانا سا بوجھ مجھ پر لدا جا رہا ہے۔ مجھ میں لمحہ بہ لمحہ کچھ تبدیلیاں سی ہو رہی تھیں۔ پھر پاپا لوئی میرے سامنے آئینہ لیکر آیا تو میں اپنا عکس دیکھتے ہی گھبرا گئی۔
میں اپنی ممی کی طرح بوڑھی ہو گئی تھی۔ دیکھنے والے مجھے لزا کہہ سکتے تھے۔ مگر لزا تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ میں غصے سے چیخنے لگی۔ اس بوڑھے خبیث کو گالیاں دینے لگی۔ اس نے پھر اپنی مٹھی میری طرف بڑھا دی۔ اور میں یکلخت خاموش ہو گئی۔ بوڑھے نے انگوٹھی کو میرے دائیں شانے پر رکھا۔ پھر بڑبڑاتے ہوئے اسے بائیں شانے پر لایا۔ اس کے بعد اس انگوٹھی کو میری پیشانی پر یوں رکھا جیسے مہر لگا رہا ہو۔ پھر اس نے کہا۔
"بہت بولتی ہو۔ اب بولو۔"
میں بول نہ سکی۔ گونگی ہو گئی۔ پاپا لوئی مجھے اس کاٹیج میں لے آیا۔ وہ ہر رات یہاں آتا ہے۔ دن کو اس کا کوئی آدمی یہاں موجود رہتا ہے۔ ایک بار پولیس کے آدمی مجھے یہاں تلاش کرتے ہوئے آئے تھے، انھوں نے میری تصویر دیکھی اور مجھے دیکھا۔ وہ حیران تھے کہ میری بوڑھی صورت اس تصویر سے مشابہت رکھتی ہے۔ مگر تصویر جوان دوشیزہ کی تھی۔ مجھ جیسی بوڑھی ریڈ انڈین عورت پر انھیں شبہ نہیں ہوا۔ میں انھیں اشاروں سے سمجھا نہ سکی اور نہ ہی لکھ کر بتا سکی۔ اس وقت پاپا لوئی کے دو آدمی میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے دھمکی دی تھی کہ میں نے ذرا بھی اشارے میں پولیس سے کچھ کہنا چاہا تو اس سے پہلے ہی وہ مجھے ختم کر دیں گے۔
پھر پاپا لوئی نے میرے ساتھ رہنے والے دونوں آدمیوں سے کہا کہ ان میں سے جو بھی میرے ڈیڈی وڈز کارٹر کو ہلاک کرے گا اس کے ساتھ میری شادی کر دی جائے گی۔ ان میں سے ایک نوجوان میرے ڈیڈی کو قتل کرنے چلا گیا ہے۔ وہ آج سے دو دن پہلے گیا تھا اور اب تک واپس نہیں آیا ہے۔"
"اب وہ واپس نہیں آئے گا۔" عادل نے کہا۔ "میں بڑے افسوس کے ساتھ یہ بری خبر سنا رہا ہوں کہ تمہارے ڈیڈی قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کا قاتل بھی چلتی ٹرین کے نیچے آکر مر گیا ہے۔"
لزا بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ باپ کی موت کی خبر سن کر اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ عادل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "وہ دوسرا آدمی کہاں ہے جو یہاں پہرہ دیتا ہے۔؟"
لزا نے جواب دیا۔ "تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ لکڑیاں کاٹ کر دونے جنگل کی طرف گیا تھا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ شاید اپنے قبیلے کی طرف چلا گیا ہے۔ وہ صبح کہہ رہا تھا کہ پاپا ہنجامن سخت بیمار ہے۔ اس کی زبان بند ہو گئی ہے۔ وہ اب تب میں مرنے ہی والا ہے۔ اچھا ہے کمبخت مر جائے۔ اس کے مرتے ہی جادو کا اثر ختم ہو جائے گا۔ اور بڑھاپے کی لعنت مجھ سے دور ہو جائے گی۔"
عادل نے اسے اپنے بازوؤں میں لیکر کہا۔ "اب تو تم بوڑھی نہیں ہو۔ شاید وہ مر گیا ہے۔"
"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔" لزا نے کہا۔ "مگر ایسا تو ہر آدھی رات کے بعد ہوتا ہے۔ میں صبح تک کے لئے جوان ہو جاتی ہوں۔ پاپا لوئی نے بتایا ہے کہ اس کا باپ سوتے وقت انگوٹھی اتار دیتا ہے۔ وہ شیطانی انگوٹھی اس بوڑھے کے لئے بھی ایک بوجھ ہے۔ پتہ نہیں کس قسم کا بوجھ ہے۔ اسے اتارنے کے بعد ہی وہ سکون سے سوتا ہے۔ اس نے بیٹے کو نصیحت کی ہے کہ اس کے مرتے ہی وہ انگوٹھی اس کے ساتھ دفن کر دی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو سارے قبیلے کو نحوست گھیر لے گی۔ آج میں آدھی رات سے پہلے ہی اپنی اصلی حالت پر آگئی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے وہ واقعی مر چکا ہے۔"
عادل نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔ "ہاں اس کی موت سے تمہاری جوانی واپس آگئی ہے۔ اس خوشی میں مجھے اپنے رس بھرے ہونٹوں کی شراب پی لینے دو۔"
دونوں کے ہونٹ ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔ لیکن اس وقت لزا رومانس کے موڈ میں نہیں تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے الگ ہو کر کہا۔
"میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گی مگر ابھی نہیں۔ ابھی یہاں سے بھاگنے کا اچھا موقع ہے۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"
عادل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر لڑکھڑاتے ہوئے میز کی طرف گیا۔ تین پیگ کا نشہ اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ مگر وہ اتنا مدہوش نہیں تھا کہ خطرے کے وقت بے حس ہو کر رہ جاتا۔ اس نے میز پر سے ریوالور اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ عادل پھرتی سے ریوالور نکالتا ہوا دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ لزا دوڑتی ہوئی آئی اور سرگوشی میں بولی۔

"مقابلہ نہ کرو۔ نہ جانے وہ کتنے ہیں۔ مچان پر چلے جاؤ۔"

اس نے ریوالور کو جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ مچان کے قریب آیا اور اچھل کر اس کے سرے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر لٹک گیا۔ اس کے بعد ہاتھوں کے بل پر اٹھتا ہوا مچان پر پہنچ گیا۔ وہاں سے وہ کھانوں کے اسٹیک پر گیا اور روشندان کے راستے چھت پر چلا گیا۔ اس وقت چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی میں بہت دور تک کا منظر واضح ہو گیا تھا۔ وہ لیٹے ہی لیٹے رینگتا ہوا چھت کے سرے پر آیا۔ دروازے کے سامنے کھلے میدان میں تین ریڈ انڈین کھڑے ہوئے تھے۔ جو سب سے آگے تھا اس کا قد قدرے لمبا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے کاٹیج کی طرف ہاتھ اٹھا کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں پوچھا۔

"اندر کون ہے۔؟"

"کوئی نہیں ہے۔ میں اکیلی ہوں۔" لونا کی آواز سنائی دی۔

"پاپا لوئی یہاں تیرے آدمیوں کے سوا اور کون آ سکتا ہے۔"

عادل سمجھ گیا کہ وہ لونا سے قد آور ریڈ انڈین پاپا لوئی ہے۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میں شام کو یہاں سے لکڑیاں کاٹنے گیا تھا۔ ادھر جھاڑیوں کے پیچھے جا کر میں نے پلٹ کر دیکھا تو کسی دوسرے قبیلے کا نوجوان تجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ کون تھا وہ نوجوان؟"

"میں نہیں جانتی۔ وہ پیاسا تھا۔ میں اسے کاٹیج میں لے آئی۔ پھر اُسے کھلا پلا کر رخصت کر دیا۔ یقین نہ ہو تو آ کر دیکھ لو۔"

پاپا لوئی کے حکم پر ایک آدمی کاٹیج کے اندر جانے لگا۔ عادل رینگتا ہوا پھر روشندان کی طرف آ گیا اور مچان کی طرف جھانک کر دیکھنے لگا۔ کیروسین لیمپ کی روشنی میں اس شخص کا سایہ ادھر ادھر حرکت کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ عادل کو تلاش کر رہا تھا۔ پھر وہ مچان پر چڑھنے لگا۔

عادل کھسکتا ہوا روشندان کے اٹھے ہوئے پٹ کے پیچھے چلا گیا۔ رات کی خاموشی میں پاپا لوئی کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ لونا سے کہہ رہا تھا۔

"ایک اجنبی کی خبر سن کر میں یہاں آیا ہوں۔ ورنہ آج نہ آتا۔ میرے باپ کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ کسی وقت بھی مرنے والا ہے۔ میں اسے چھوڑ کر بار بار یہاں نہیں آ سکتا۔ اس لئے تجھے اپنے ساتھ لیجاؤں گا۔"

"میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ تو میرا باپ نہیں ہے۔ تو نے میرے ڈیڈی کو قتل کرایا ہے۔ میں تجھ سے نفرت کرتی ہوں۔"

لونا اس کے ساتھ جانے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ دونوں لڑتے جھگڑنے کے انداز میں بحث کر رہے تھے۔ اتنے میں روشندان سے اس ریڈ انڈین کا سر ابھرا۔ وہ عادل کو چھت پر تلاش کرنے آ رہا تھا۔ مگر عادل نے اس کا موقعہ نہیں دیا جیسے ہی اس نے گردن گھما کر چھت پر ایک نظر ڈالنی چاہی۔ عادل نے فوراً ہی اٹھے ہوئے پٹ کو اس پر گرا دیا۔ اس کی گردن روشندان کے فریم میں اس بری طرح پھنس گئی کہ اس کے حلق سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔ عادل دونوں ہاتھوں سے گرے ہوئے پٹ کو پوری قوت سے دبا رہا تھا۔ وہ ریڈ انڈین روشندان کے نیچے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ روشندان کے اردگرد تھوڑی دیر بعد وہ بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس کا سر کچل گیا تھا اور دیدے پھیل گئے تھے پھر وہ ہمیشہ کیلئے ٹھنڈا پڑ گیا۔

پاپا لوئی اسے آوازیں دے کر پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔؟ کاٹیج سے باہر کیوں نہیں آتا۔؟

عادل نے روشندان کے پٹ کو اٹھا دیا۔ ریڈ انڈین کی گردن آزاد ہوئی اور اس کی لاش ایک زوردار آواز کے ساتھ مچان پر جا کر گر پڑی۔ وہ ریوالور نکال کر دوڑتا ہوا چھت کے سرے پر آ گیا۔ پاپا لوئی آواز سنتے ہی ہوشیار ہو گیا تھا۔ عادل نے جیسے ہی فائر کیا۔ وہ چھلانگ لگا کر ایک درخت کے پیچھے چلا گیا۔ ریوالور کی گولی اس کے ساتھی کو جا کر لگی۔ پاپا لوئی نے اپنے ساتھی کی چیخ سنی۔ وہ زمین پر گر کر تڑپ رہا تھا۔ ایک آواز کاٹیج کے اندر مچان کی طرف سے بھی آئی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے دونوں ساتھی کام آ گئے ہیں اور جو دشمن چھت پر کھڑا ہوا ہے وہ نہتا نہیں ہے۔

وہ درخت کے پیچھے زمین پر لیٹ گیا اور قد آور گھاس کے درمیان رینگتا ہوا دور جانے لگا۔ عادل چھت پر بیٹھا ہوا اس درخت کے آس پاس دیکھ رہا تھا جس کے پیچھے پاپا لوئی نے پناہ لی تھی۔ چاند کی روشنی میں لہراتی اور سرسراتی ہوئی گھاس نظر آ رہی تھی۔ اس نے اندازے سے فائر کیا۔ گولی پاپا لوئی کے قریب سے گزری۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی پھر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ عادل کو دھوکہ دینا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے مردہ سمجھ کر قریب آئے گا یا لونا کو لیکر یہاں سے فرار ہو جائیگا اگر فرار ہوگا تو وہ اس کا پیچھا کرے گا اور اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اسے ہلاک کرے گا اور اگر قریب آئے گا تو اچانک اس پر حملہ کرے گا۔

اس کا پہلا خیال درست نکلا۔ عادل لونا کو لیکر وہاں سے جا رہا تھا۔ وہ شام کو جدھر سے آیا تھا اسی طرف لونا کا ہاتھ پکڑے بھاگا جا رہا تھا اس کا خیال تھا کہ دس بارہ میل کے بعد وہ ریلوے لائن تک پہنچ جائے گا۔ مگر تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ گڑبڑا گیا۔ ایک جگہ رک کر وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہی گھاس کا میدان۔ وہی اونچے نیچے ٹیلے اور بلند قامت درخت نظر آ رہے تھے۔ لیکن راستہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"کیا ہوا۔؟" لونا نے پوچھا۔ "تم رک کیوں گئے۔؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیئے۔"

"کسی طرف بھی چلو۔ ہم یہاں سے جتنی دور چلے جائیں، اتنا ہی اچھا ہے۔"

اس وقت دور کہیں جھاڑیوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ وہ

چونک کر اس طرف دیکھنے لگے۔ وہاں سے دوسری بار آواز نہیں آئی۔ وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ دو فرلانگ کے بعد پھر انہیں آواز سنائی دی۔ وہ کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز تھی۔ لانہ سہم کر اس سے لپٹ گئی۔

"کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔"

"کون ہو سکتا ہے۔۔؟" عادل سوچتے ہوئے آواز کی سمت دیکھ رہا تھا۔ مگر اب وہ آواز معدوم ہو گئی تھی۔ وہ لانہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف جانے لگا۔

ان کا راستہ بدل گیا تھا۔ ایسا ایک بار نہیں کئی بار ہوا۔ کئی بار وہ آواز ان کا پیچھا کرتی رہی اور وہ راستہ بدل بدل کر بھٹکتے رہے۔ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ لانہ بھاگتے بھاگتے پریشان ہو گئی تھی۔ رات کے پچھلے پہر وہ تھکن سے چور ہو کر گر پڑی۔

"اب مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ آخر معلوم تو ہو کہ ہم کن بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں؟ وہ کون ہے جو ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔؟"

وہ ہانپ رہی تھی اور آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھی۔ اسی وقت پھر وہی آواز سنائی دی۔ کوئی چلتے چلتے جھاڑیوں میں الجھ کر گر پڑا تھا۔ عادل نے آواز کی سمت فائر کر دیا۔ جھاڑیوں میں زبردست ہلچل پیدا ہوئی۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ عادل نے لانہ سے کہا۔

"تم یہاں ٹھہرو۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔"

لانہ ایک درخت سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ عادل ریوالور لئے دبے قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ وہ سیدھا جھاڑیوں کی طرف نہیں گیا۔ قریب ہی ایک پھیلا ہوا تناور درخت تھا۔ وہ پنجے کے بل قدم رکھتا ہوا درخت کے پاس آگیا اور اس کی آڑ سے جھاڑیوں کی طرف دیکھنے کے لئے جھک گیا۔ اچانک ہی اس کے ہاتھ پر ایک ٹھوکر پڑی۔ ریوالور ہاتھ سے نکل کر دور چلا گیا۔ درخت کے دوسری طرف پاپالوئی تھا۔ اس نے پوری قوت سے کلہاڑی چلائی عادل فوراً ہی سنبھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کلہاڑی کا پھل درخت کے تنے میں پیوست ہو گیا ———— پاپالوئی درخت سے کلہاڑی نکال کر دوبارہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ عادل نے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تو وہ کلہاڑی کو نکالنے کے لئے آگے بڑھا۔ کلہاڑی کا پھل تنے میں دور تک پیوست ہو گیا تھا کہ وہ آسانی سے نہیں نکل سکی تھی۔ پاپالوئی بھی لپک کر اس کے پیچھے آیا اور کلہاڑی کے دستے کو پکڑ کر زور لگانے لگا۔

دو آدمیوں کی قوت بہت ہوتی ہے۔ کلہاڑی نکلنے لگی۔ اپنی جگہ چھوڑنے لگی۔ پاپالوئی پیچھے سے عادل پر چھایا ہوا تھا۔ عادل نے اچانک کلہاڑی کے دستے کو چھوڑ کر اپنی دونوں کہنیاں اس کی پسلیوں میں چبھو دیں۔ وہ ایسی ناقابل برداشت تکلیف تھی کہ پاپالوئی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

عادل نے سر کو پیچھے جھٹکے سے اس کے منہ پر ٹکر ماری۔ وہ پھر لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ عادل نے پلٹ کر پھر ایک گھونسہ جمایا۔ اس بار وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ ڈگمگاتا ہوا دور جا کر گھاس پر گر پڑا۔ ٹھیک اسی جگہ پستول پڑا ہوا تھا۔

عادل نے گھوم کر درخت کے تنے سے کلہاڑی نکالی اور اس پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ ٹھائیں۔ ٹھائیں۔ ایک گولی چلی اور عادل کے بائیں بازو میں آکر بیٹھ گئی۔ وہ تکلیف کی شدت سے لڑکھڑا گیا۔ پاپالوئی نے گھاس پر سے اٹھتے ہوئے دوسری بار ٹریگر کو دبایا۔ مگر ریوالور خالی ہو چکا تھا۔

عادل دائیں ہاتھ میں کلہاڑی کو لے کر آگے بڑھا۔ پاپالوئی اٹھ کر بچنا چاہتا تھا۔ مگر عادل کا ہاتھ چل گیا۔ کلہاڑی کی ضرب اس کے چہرے پر پڑی پھر اس کی دلخراش چیخوں سے جنگل کا سناٹا لرزنے لگا۔ عادل کے بائیں بازو میں ایسی جلن تھی جیسے انگارے بھر دیئے گئے ہوں۔ اس کے لئے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا دوبھر ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی آخری تمام قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے ایک اور ضرب لگائی۔ پھر خود بھی لڑکھڑا کر گر پڑا۔

پاپالوئی تڑپ رہا تھا اور کراہ رہا تھا۔ اس کے قریب ہوا عادل بیہوشی کی طرف مائل تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ کانوں میں فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ دور کہیں سے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ کچھ لوگ انگریزی زبان میں چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے تھے۔ پتہ نہیں اتنے لوگ یک بیک کہاں سے آگئے تھے۔ پھر عادل کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔ اس نے بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے روزا کو دیکھا۔۔ وہ اس پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ روزا تھی۔۔؟ یا لانہ تھی۔۔؟

آہ۔۔ ! وہ پھر بوڑھی ہو گئی تھی۔

عادل کی آنکھیں بند ہو گئیں۔۔ !

وہ نہیں جانتا کہ وہ کتنی دیر تک بیہوش رہا۔ جب آنکھ کھلی تو اس وقت بھی روزا کا چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اس کا دماغ ذرا سوچنے کے قابل ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ وہ لانہ ہے۔

اس وقت وہ گونگی تھی۔ زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی مگر احسان مندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی بن کر بوڑھی عورتوں کی طرح اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ عادل نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر اس کی پشت پر رکھا۔ پھر آہستگی سے اپنی طرف جھکا کر سینے سے لگا لیا۔

دونوں کے دل ایک دوسرے کے قریب دھڑکتے رہے۔ عادل بہت زیادہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اس پر اب بھی غنودگی

طاری تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی، تب اُسے پتہ چلا کہ وہ کسی ہسپتال کے ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں ہے۔ ڈاکٹر اور نرس اس کے بیڈ کے آس پاس کھڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اس کا معائنہ کرتا رہا اور تسلیاں دیتا رہا کہ وہ بہت جلد صحتیاب ہو جائے گا۔

پھر بوڑھی لانہ فلمسازوں کے ساتھ آگئی۔ وہ زبان سے کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ وہ عادل کا ہاتھ تھام کر بستر کے سرے پر بیٹھ گئی۔ فلمساز آرتھر اُسے بتا رہا تھا کہ جہاں پاپا لوئی سے معرکہ ہوا تھا وہاں سے کچھ دور ایک بستی تھی۔ فائرنگ کی آواز اور پاپا لوئی کی چیخیں سن کر بستی والے اپنی رائفلیں لے کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ہی عادل کو ہسپتال پہنچایا تھا۔ اب پاپا بنجامن کے خلاف عدالتی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ مگر وہ بستر مرگ پر ہے۔ اب تب میں مرنے ہی والا ہے۔ لیکن جب تک وہ نہیں مرے گا، اس کی انگلی سے انگوٹھی نہیں اتاری جائے گی۔ عدالت جادو ٹونے کو تسلیم نہیں کرتی ہے اور نہ ہی کسی قانون کے تحت ریڈ انڈین قبیلے کی کسی رسم کے خلاف حکم جاری کیا جا سکتا ہے۔ ٹھوس ثبوت کے لئے پاپا بنجامن کی موت کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

فلمساز برساتی خان نے کہا۔ "عادل! تم دو چار روز میں صحتیاب ہو جاؤ گے۔ ہم شوٹنگ کی تمام تیاریاں مکمل کرتے ہیں۔ جس دن تم ہسپتال سے آؤ گے اسی دن شوٹنگ شروع ہو جائے گی۔ زیادہ بھاگ دوڑ کا کام نہیں ہے۔ وہیں تمہارا اور لانہ کا جذباتی سین پکچرائز کیا جائے گا۔"

لانہ کن انکھیوں سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔ عادل نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ دونوں کی پُرشوق نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ ہم اس منظر میں حقیقت کا رنگ بھر دیں گے۔

جانے سے پہلے لانہ نے اس کا بوسہ لیا تو برساتی خان نے کہا۔ "بوڑھی لانہ کا بوسہ اگر پکچرائز کیا جائے تو ناظرین اسے قبول نہیں کریں گے۔"

فلمساز آرتھر نے کہا۔ "ہمارے ہاں بوسوں کے لئے عمر کی قید نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ قبول کر لیں گے۔ بہرحال یہ تو ہم نے دیکھ لیا ہے کہ لانہ آدھی رات کے بعد اپنی اصلی عمر کی طرف لوٹ آتی ہے۔ وہ جذباتی سین آدھی رات کے بعد ہی پکچرائز کیا جائے گا۔"

وہ سب لانہ کے ساتھ واپس جانے لگے۔ دروازے سے نکلتے وقت لانہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ جاتا نہیں چاہتی تھی۔ جاتے جاتے نگاہوں سے کہہ رہی تھی کہ پھر آئے گی۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ پھر دروازے پر آکر کھڑی ہو گئی۔ عادل نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ وہ آہستہ آہستہ سر جھکا کر اس کے پاس آئی اور اس کے ہاتھ کو تھام کر بیٹھ گئی۔ عادل نے کہا۔

"تمہارا دشمن پاپا لوئی ختم ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسرار و سراغ رسانی کی ایک داستان ختم ہو گئی ہے۔ اب دوسری کا آغاز ہو رہا ہے۔ پاپا بنجامن کے مرتے ہی تمہارا بڑھاپا ختم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آج ہی ختم ہو جائے ـــ ابھی ختم ہو جائے ـــ میرے قریب آؤ۔ میں اس بڑھاپے کو الوداع کہنا چاہتا ہوں۔"

عادل کو احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ بڑبڑا رہا ہے۔ لانہ اس کی باتیں سن سکتی تھی اور نہ جواب دے سکتی تھی۔ اس نے اپنے ایک بازو کی گرفت میں لے کر اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ بظاہر بوڑھی تھی۔ مگر مرجھائی ہوئی نہیں تھی۔ عادل اس کے لمس، اس کے پیار اور اس کی اداؤں سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ برائے نام بوڑھی ہے۔

تقدیر بھی عجیب تماشہ دکھا رہی تھی۔ محبوبہ کو بوڑھی بنا کر پیش کر رہی تھی۔

پھر وہ رخصت ہو گئی ـــ ہسپتال کے کمرے میں عادل کے دن اسی طرح گزرنے لگے۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ وہ بہار کا انتظار کر رہا تھا ـــ ایک رات وہ دو بجے آئی ـــ حسن و شباب کی تمام رعنائیوں کے ساتھ آئی۔ مگر اس سے ذرا دور دور ہی بیٹھ رہی۔ عادل نے پوچھا۔ "اس طرح دور دور کیوں بیٹھی ہو؟"

وہ شوخی سے مسکرا کر بولی۔ "اس لئے کہ تم بڑی جلدی بہک جاتے ہو۔"

"اچھا وعدہ کرتا ہوں، بہکنے سے پرہیز کروں گا۔"

"اوں ہونہہ ـــ ڈاکٹر نے جس چیز کا پرہیز بتایا ہے اسے تمہارے قریب نہیں آنا چاہیئے۔ ایسی بے صبری بھی کیا ہے، پہلے تندرست ہو جاؤ۔"

وہ دور دور ہی دور سے ترساتی رہی اور دل کو لبھانے والی باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "ہاں۔ میں تو کہنا ہی بھول گئی۔ میری ممی آئی تھیں۔ پہلی بار یہاں تم سے ملنے آئیں تو تم بے ہوش پڑے تھے۔ کل بھی یہاں آئی تھیں، اس وقت تم سو رہے تھے۔ بیچاری تم سے ملے بغیر واپس چلی گئیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ان سے نہیں مل سکا۔" عادل کہاں

گئی ہیں؟"

"ہمارے ہاں وڈ کے کالج میں۔ کل میں بھی چلی جاؤں گی۔"

"او ولانہ — پیز تم نہ جاؤ۔"

"مجبوری ہے عادل — وہاں کی پولیس ڈینڈی کے مرڈر کیس کے سلسلے میں مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہے۔ میرا جانا ضروری ہے۔ تمہیں یہاں سے بہت جلد چھٹی ہو جائے گی۔ اگلے ہفتے کی رات ہماری شوٹنگ ہے۔ ہم پھر ایک ہو جائیں گے۔"

وہ بہت دیر تک میٹھی باتیں کرتی رہی۔ اسے اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلاتی رہی۔ پھر وہاں سے چلی گئی۔

اس کے اس ہسپتال میں چار دن اور گزر گئے۔ اب اس کے بائیں بازو کا زخم بھرنے لگا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر جاتا تھا۔ اور تنہائی میں بیشتر رہتا تھا۔ ساتویں دن شام کو بدر ساقی خان بی فلم کے ڈائریکٹر کے ساتھ آیا۔ اور اسے ہسپتال سے لے کر ہوٹل میں آگیا۔

"آج آدھی رات کے بعد شوٹنگ ہے۔" اس نے کہا۔ "ہم دس بجے طیارے سے جائیں گے۔ اور ٹھیک شوٹنگ کے وقت اسٹوڈیو پہنچ جائیں گے۔ جب تک تم ڈائریکٹر سے سین کو اچھی طرح سمجھ لو......"

ڈائریکٹر اسے سمجھانے لگا۔ سین ایسا دلچسپ اور جذباتی تھا کہ عادل کرید کرید کر پوچھتا جا رہا تھا۔ اور اپنے پرفارمنس کے متعلق سوچتا جا رہا تھا۔ جب وہ لانہ کے متعلق سوچتا تو اسے پاپا بنجامن پر غصہ آنے لگتا۔ کمبخت مرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ عادل نے دس بارہ دن پہلے سنا تھا کہ وہ قبر کے کنارے پہنچ گیا ہے۔ مگر نہ تو وہ قبر تک جا رہا تھا۔ اور نہ اس کا جادو بے اثر ہو رہا تھا۔

فلمساز بھی اس بات پر کڑھ رہے تھے۔ اگر لانہ چوبیس گھنٹے جوان رہتی تو اس کے کتنے ہی سین ایک ہی دن میں مکمل ہو جاتے۔ اب مجبوراً آدھی رات کے بعد کا وقت شوٹنگ کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

جب عادل وہاں پہنچا تو سیٹ پر یونٹ کے کچھ خاص لوگ موجود تھے۔ مثلاً ایک کیمرہ مین، ایک لائٹ مین، ایک ڈائریکٹر اور دو پروڈیوسر — ان پانچ آدمیوں کے علاوہ کسی کو سیٹ پر آنے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ بلیو فلم تیار کی جا رہی تھی۔ یہ ریڈ انڈین مجرم اور غیر مہذب تھے مگر وہ لانہ کو اپنے قبیلے میں رکھ کر کبھی اس کے جسم کی نمائش نہ کرتے۔ ایسا صرف مغرب کی مہذب قومیں کرتی ہیں۔ اور اسے جرم نہیں کہتے۔

دو بجے لانہ اور عادل میک اپ کر کے سیٹ پر آئے۔ دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ باہر پلے بوائے اور دوسرے جذباتی رسالوں کے فوٹوگرافر انتظار میں کھڑے تھے۔ فلمساز آرتھر نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ایک آدھ اسنیپ کے لیے انہیں اندر بلایا جائے گا مگر پہلا شاٹ شروع ہوتے ہوتے تین بج گئے۔

فلمساز نے کلیپ دیا اور کیمرہ اسٹارٹ ہو گیا۔ پہلے شاٹ میں لانہ اور عادل ہم آغوش ہوتے ہیں۔ کیمرہ لانہ کے بیک پر ہے۔ عادل کا ایک ہاتھ اس کی پشت پر جاتا ہے اور وہ زپ کے بند کھولتا ہے۔

یہاں تک پہلا شاٹ مکمل ہو گیا۔ دوسرے شاٹ کے لیے کیمرہ مین کیمرے کی پوزیشن بدلنے لگا۔ لانہ ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ عادل کا چہرہ جذبات سے تمتما رہا تھا۔ لانہ کے لیے یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ مگر عادل کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس لیے اس کے اندر ایک آگ دہک رہی تھی۔

سوا چار بجے دوسرا شاٹ شروع ہوا۔ دوسرے شاٹ نے ذرا اور آگ لگا دی۔ اسکرپٹ کے مطابق عادل آہستہ آہستہ اس کا بلاؤز اتار رہا تھا — بلاؤز اتر گیا مگر شاٹ کٹ ہو گیا۔

لانہ جلدی سے اپنے سینے کو ڈھانپتی ہوئی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر عادل کو دیکھنے لگی۔ اس کی مسکراہٹ پوچھ رہی تھی — "بولو تم نے کیا دیکھا اور کیا پایا؟"

عادل بظاہر اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کے تصور میں لانہ کے جسم کی شادابیاں جگمگا رہی تھیں۔ کیمرہ مین نے بڈ کلوز کے سلسلے لینس بدل کر تیسرے شاٹ کا اعلان کیا۔ لانہ پھر فارم میں آگئی۔

شاٹ شروع ہوا۔ عادل لانہ کے قریب گیا۔ وہ نصف عریاں تھی۔ اسے بڑی نرمی سے چھوتا تھا اور جذباتی انداز میں محسوس کرتا تھا۔ مگر اسے چھوتے ہی وقت سے پہلے شاٹ کٹ ہو گیا۔ عادل نے جھلا کر کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس طرح ایکٹنگ کا موڈ چوپٹ ہو رہا ہے۔"

"سوری،" کیمرہ مین نے کہا۔ "کیمرہ چوک کر رہا ہے۔ دوسرا کیمرہ لانا ہوگا۔"

لانہ اپنا بلاؤز پہنتے ہوئے بولی "میں دوسرے کیمرے کا انتظار نہیں کروں گی۔ پانچ بج چکے ہیں۔ شوٹنگ پیک اپ کرو۔"

یہ کہہ کر وہ سیٹ سے باہر چلی گئی۔ فلمسازوں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اتنے عرصے بعد شوٹنگ شروع ہوئی تھی اور صرف دو مختصر

سے سٹارٹ لئے نئے تھے۔ وہ لانہ کو روک نہیں سکتے تھے جو جھنے
والی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے موجودہ حسن و شباب سے
محروم ہونے والی تھی۔

عادل کا برا حال تھا۔ اُسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے بھوکے
کے آگے سے کھانا چھین لیا گیا ہو۔ وہ جذبات کی آنچ میں بہتا ہوا
سیٹ کے باہر آگیا۔ لانہ گرین روم میں تھی۔ اس نے جاتے ہی اسے
اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔

"لانہ — میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ابھی تم میرے
ساتھ چلو گی۔"

"ضرور چلوں گی۔ تم نے میرے ڈیڈی کے قاتل کو پکڑ
کر، میری جان بچائی ہے۔ میں تمہاری ہر خواہش کا احترام کروں
گی۔ مگر عادل! اب تو میرے بڑھاپے کا وقت آگیا ہے۔"

"بڑھاپے کی ایسی کی تیسی — تم بوڑھی ہو کر بھی مجھے
جوان نظر آتی ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس لئے تمہارے
بڑھاپے کو بھی گلے لگا سکتا ہوں۔"

لانہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "تم واقعی مجھ
سے محبت کرتے ہو۔ صرف میری جوانی سے نہیں، میرے بڑھاپے سے
بھی محبت کرتے ہو۔ ورنہ عورت بوڑھی ہو جائے تو مرد اسے دیکھنا
بھی گوارا نہیں کرتا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ عادل کی آغوش
سے نکل کر فون کے پاس گئی اور ریسیور اٹھا کر بولی۔

"ہیلو — ہاں میں لانہ کارٹر بول رہی ہوں — ہوں
اچھا — کوئی اہم اطلاع ہے — ٹھیک ہے آپ فون پر بتا دیجئے
نہیں — پلیز ابھی مجھے نہ بلائیں۔ میں بہت مصروف ہوں — اوہ
میرا آنا بہت ضروری ہے۔ مگر........"

عادل نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "کون ہے — تمہیں کہاں
بلایا جا رہا ہے؟ تم انکار کر دو۔ کہہ دو کہ آج مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں
جاؤ گی۔"

وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ "عادل! مجھے پولیس
اسٹیشن پر کال کیا جا رہا ہے۔ میں انکار کیسے کر سکتی ہوں۔ وہ کہتے ہیں
کہ معاملے میں میری موجودگی ضروری ہے۔ میرا کیس ایک اہم موڑ پر
پہنچ گیا ہے۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ زندگی کے ایک اہم موڑ پر پہنچنا
چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں میرے جذبات کا ذرا بھی خیال نہیں ہے؟"

"اوہ عادل! سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس وقت تمہارے
سامنے اپنی زندگی کی ہر ضرورت کو ٹھکرا سکتی ہوں۔ مگر قانون کے
آگے مجبور ہوں۔ جہاں تم نے اتنا انتظار کیا ہے وہاں ایک گھنٹہ اور
سہی۔" پھر اس نے ریسیور پر کہا۔ "ہیلو — میں ابھی آ رہی ہوں۔ پندرہ
منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

وہ ریسیور رکھ کر بولی۔ "تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں۔" وہ ناراضگی سے بولا۔

وہ آگے بڑھ کر اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "میں
جانتی ہوں، تم بہت پریشان ہو۔ ایسا کرو، تم یہاں سے میرے کاٹیج
میں جاؤ۔ میں ایک گھنٹے سے پہلے ہی آنے کی کوشش کروں گی —
ٹھیک ہے نا؟"

وہ اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا بوسہ دے کر چلی گئی۔ عادل
چپ چاپ کھڑا رہا جیسے آندھیوں میں ایک تناور درخت کھڑا رہتا
ہے اور تیز ہوائیں اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتی ہیں۔
یہی اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا گرین روم سے
باہر آیا۔ اس کا رخ اسٹوڈیو فلور کی طرف تھا۔ مگر وہ سیٹ پر نہیں جانا

---

ایک صاحب ایک ڈاکٹر کے پاس پہنچے تو ان دونوں میں عمر کے موضوع پر گفتگو چل پڑی۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ ساٹھ برس کی عمر ہو جانے کے باوجود تمہاری صحت بے حد اچھی ہے" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں نے یہ کب کہا کہ میں ساٹھ برس کا ہوں۔" آدمی نے کہا "میری عمر تو اسی سال ہو رہی ہے۔"

"اوہ" ڈاکٹر نے حیرت سے اسے دیکھا پھر بولا۔ "پھر تو تمہارے والد کافی طویل عمر تک زندہ رہے ہوں گے۔"

"مگر میں نے یہ کب کہا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ زندہ ہیں اور ان کی عمر ایک سو دو سال ہے۔"

"میرے خدا! یہ بتاؤ کہ تمہارے دادا کتنے عرصے جئے تھے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ مر چکے ہیں۔ وہ اس وقت ایک سو چوبیس سال کے ہیں.... اور شادی کرنے جا رہے ہیں۔"

"اللہ ہو غنی! ایک سو چوبیس سال کی عمر میں انہیں شادی کی کون سی ضرورت آ پڑی ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ انہیں کوئی ضرورت آ پڑی ہے؟"

چاہتا تھا۔ سیٹ کے باہر ہی رُک کر سوچنے لگا کہ کہاں جائے؟

وہ بار میں آ گیا اور وہاں بیٹھ کر پینے لگا۔ ایک پیگ کے بعد اس نے سوچا کہ فلمساز ادھر آ گئے تو اپنے ساتھ اُسے کہیں لے جائیں گے۔ پھر وہ لانہ کے کالج تک نہیں پہنچ سکے گا ۔۔۔ وہ ایک پیگ کے دام دے کر بار سے نکل گیا۔ اسٹوڈیو کمپاؤنڈ کے باہر آ گیا۔ پھر ایک فرلانگ تک چلتے رہنے کے بعد دوسرے بار میں داخل ہو گیا۔ وہاں ایک گوشے میں بیٹھ کر اس نے اسکاچ وہسکی کے ڈبل پیگ کا آرڈر دیا۔ اس کے اندر پہلے ہی آگ لگ رہی تھی۔ وہ اور آگ لگا رہا تھا۔ لانہ کے انتظار میں وقت گزارنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی نہ تھا۔

ایک ڈبل پیگ کے بعد دوسرا ڈبل پیگ آیا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے اندر سے نشہ بول رہا تھا۔ بار کی ہر چیز ڈولتی ڈگمگاتی نظر آ رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کاؤنٹر پر آیا۔ شراب کا بل ادا کیا۔ دو کی جگہ دس ڈالر پھینک کر باہر آ گیا۔ پتہ نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا۔ اسے صرف اتنا ہوش تھا کہ لانہ کے کالج تک کسی طرح پہنچنا ہے۔

وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کالج کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کالج کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ پھر دروازے کو پیٹنے لگا۔ منزل پر پہنچ کر صبر کا دامن چھوٹ رہا تھا۔ یا تو وہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔ یا پھر اس پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ بلکہ نشہ اور دیوانگی دونوں ہی تھیں ورنہ وہ ایک بوڑھی محبوبہ کے لئے اس طرح نہ مچلتا۔ دن کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ لانہ بوڑھی ہو چکی ہو گی۔

وہ پھر دروازے کو پیٹنے لگا۔ اس بار دروازہ کھل گیا۔ لانہ سیدھی غسلخانے سے آ رہی تھی۔ اس کے بال بھیگے ہوئے تھے اور اس کا جسم صرف ایک تولیے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ عادل کو دیکھتے ہی مسکرانے لگی ۔۔۔ اس وقت وہ بوڑھی تھی۔ مگر بوڑھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کا جسم دُھلا ہوا تھا۔ غسل کے بعد اس میں بڑا نکھار پیدا ہو گیا تھا ۔۔۔ عادل نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔

پھر زندگی کے کچھ رنگین و سنگین لمحات گزرنے لگے۔

زندگی میں انسان کبھی ایک راستے سے نہیں گزرتا کتنے ہی راستے بدل کر چلتا ہے۔ حالات بھی اسے مجبور کرتے ہیں۔ کبھی نشیب و فراز، کبھی خطرناک موڑ، کبھی سیدھا صاف اور پختہ سڑک اور کبھی کچی اور ناہموار سڑک ۔۔۔ یہ تو محض دیوانگی کی بات ہے۔ وہ دیوانگی کے عالم میں نشے میں لڑکھڑاتا ہوا ٹوٹے پھوٹے کچے راستے سے گزرتا چلا گیا۔

فلمساز آرتھر نے فون کا ریسیور رکھتے ہوئے خوشی سے چیخ کر کہا۔ "پاپا بنجامن مر گیا۔"

"مر گیا ۔۔۔؟" برساتی خان نے خوشی سے اچھل کر پوچھا۔ "کیا واقعی مر گیا ہے؟"

"ہاں۔ ابھی تھانے سے اطلاع آئی ہے۔ انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ ابھی لانہ وہاں موجود تھی۔ انسپکٹر اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ اس کا میڈیکل چیک اپ کرایا گیا۔ وہ بالکل نارمل ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اب اس میں تبدیلی نہیں ہو گی۔"

آرتھر وہسکی کے دو پیگ بنانے لگا۔ برساتی خان نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دن کے وقت بھی شوٹنگ جاری رکھ سکتے ہیں۔"

"ہاں۔" آرتھر نے اس کی طرف ایک جام بڑھایا پھر جام سے جام ٹکراتے ہوئے بولا۔ "یہ لانا کا جامِ صحت ہے۔"

"جامِ صحت نہیں، جامِ شباب ہے۔ اب وہ بوڑھی نہیں ہو گی۔"

"ہاں اب وہ گونگی بھی نہیں رہے گی۔ مکالمے بول سکے گی۔"

انہوں نے ایک پیگ ختم کیا اور دوسرا پیگ بنانے لگے اور ہر پیگ کے ساتھ شوٹنگ کا پروگرام مرتب کرنے لگے۔ پھر وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر باہر آئے اور کار میں بیٹھ کر لانا کو مبارکباد دینے کے لئے اس کے کالج کی طرف چل پڑے۔

کالج کے لان میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ ان کی رنگینی اور تازگی بتا رہی تھی کہ لانا کی زندگی میں نئی بہار آئی ہے۔ انہوں نے کار سے اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ برآمدے کے زینے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ دونوں مبارکباد دیتے ہوئے اس کے قریب آئے پھر آرتھر نے پوچھا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اندر چلو۔ ہم تمہیں شوٹنگ کا پروگرام بتائیں گے۔ ایسا پروگرام ہے کہ دو ہفتے میں فلم مکمل ہو جائے گی۔"

"میں تمہاری فلم میں کام نہیں کروں گی۔"

"کیا؟" دونوں حیرت سے چیخ کر اسے دیکھنے لگے۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "ہاں ۔۔۔ ہیروئن بدل دو، یا ہیرو بدل دو ۔۔۔ کیونکہ رشتے بدل گئے ہیں۔ اب وہ میرے تیسرے ڈیڈی ہیں ........"

وہ دونوں اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس کی بات پلے نہ پڑی ہو۔ یا پھر سمجھتے ہوئے بھی سمجھنا نہ چاہتے ہوں۔ ●